

پہلے شدی دور از حضورِ اولیاء!
در حقیقت گشتہ ای دور از خدا
(مولانا روم)



میر کارواں تذکرہ

شیخ الاولیاء حضرت خواجہ سید محمود بنوئی بخاری ثم سنائی قدس سرہ

۵۱۵ھ

۶۱۲۱

۲۲۶ھ

۶۱۵۵

تالیف

میاں اخلاق احمد ایم لکے

ناشر

میاں اخلاق احمد (ایم لکے) ۳۳۳ شاد باغ لاہور پاکستان

مید عارف، محمود مہجور روضی

جُمْلہ حقوق محفوظ

نام تالیف _____ میر کارواں - تذکرہ حضرت خواجہ سید محمود
بنوئی بخاری، ثم سنا می -

مؤلف _____ میاں اخلاق احمد ایم۔ اے (پنجاب) لاہور -

ناشر _____ میاں اخلاق احمد ایم۔ اے (پنجاب) لاہور
طبع _____ بار اول

سال طباعت _____ ۸۱ - ۱۹۸۲ء

کتابت _____ عبدالمجید جموعہ راجپوت -

تعداد صفحات _____ ۹۶

تعداد اشاعت _____ پانچ سو (۵۰۰)

مطبوعہ _____ افضل شریف پرنٹرز - حویلی کابلی مل

چوک رنگ محل لاہور -

زیر اہتمام _____ میاں احمد بدیع اخلاق صاحب

بی ایس سی -

مندرجات

صفحہ	ابتدائیہ	ازہ مؤلف
۹	تعارف	از جناب اسد نظامی قلندر صاحب
۱۲	باب ۱۔ خانوادہ، والدین، ولادت، وطن، اسم و القاب اور شجرہ نسب حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ	
۱۶	باب ۲۔ آپؐ کے بعض مشائخِ طریقت اور پیر و مرشد	
۲۱	باب ۳۔ زیارتِ حرمین شریف	
۲۲	باب ۴۔ آپؐ کے سفر ہندوستان اور سنام میں قیام	
۲۶	باب ۵۔ سنام۔ تعارف	
۲۸	(۱) جائے وقوع	
۳۰	(ب) وجہ تسمیہ	
۳۲	(ج) تاریخ	
۳۲	(د) پیداوار اور عوام	
۳۶	(ذ) اہمیت اور چند مشاہیر	
۵۶	باب ۶۔ سنام میں آپؐ کی تبلیغی مساعی اور اشاعتِ دینِ اسلام	
۵۹	باب ۷۔ آپؐ کے بعض خوارق و کرامات	
۶۲	باب ۸۔ وصال شریف اور مزار مبارک	
۶۵	باب ۹۔ درگاہ عالی کی تولیت	
۶۹	باب ۱۰۔ آپؐ کے مشائخِ طریقت کا شجرہ طیبہ	
۷۱	(۱) (i) مقدمہ (ii) حوالہ جات (iii) توضیحات (iv) احوال بعض رجال	
۹۳	مذکورہ در تذکرہ ، (۲) کتابیات	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عباد الرحمن

(۱)

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں عاجزی کیساتھ چلتے ہیں ان کی چال ڈھال میں تواضع مناسبت اور خاکساری ٹپکتی ہے۔ ان کے ہر قول و فعل سے بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔

(۲)

جب ان سے جاہل بے سمجھ بات کریں تو سلام کہتے ہیں۔ اللہ کے بندے کم عقل اور بے ادب لوگوں کو جاہلانہ گفتگو کا جواب نہیں دیتے۔ عفو و گذر سے کام لیتے ہیں۔ غرض جو ان کا وقت بیکار گفتگو میں صرف ہوتا وہ اللہ کی یاد میں صرف کرتے ہیں۔

(۳)

وہ لوگ اپنے رب کے سامنے سجدہ میں یا کھڑے ہو کر رات گزارتے ہیں۔ عباد الرحمن کے شب و روز اسل طرح بسر ہوتے ہیں کہ جب رات کو غافل لوگ نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدے میں پڑے گزارتے ہیں، اور دن کو جب لوگ دغا فریب اور معصیت کی طرف پکتے جا رہے ہوتے ہیں تو اس وقت یہ کسبِ حلال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ غرض دن رات مصروف عبادت ہوتے ہیں۔

(ترجمہ القرآن)

انتساب

ان اکابرین کے نام جنہوں نے اقوامِ عالم کو اللہ تعالیٰ کی
 وحدانیت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن
 کی سچائی کی دعوت دی۔ زندگی بھر اسلام کے علم و عرفان
 کی دولت عوامِ الناس تک پہنچانے میں سرگرم عمل
 رہے۔ جن کا چشمہ فیض آج بھی جاری و ساری ہے
 اور فیوض و برکات سے اہل اسلام کے دلوں کو
 منور کر رہا ہے۔

احقر

اخلاق احمد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ارشادات

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ - الآية (التوبة: ٢٠، ٢١)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار اور
وطن کو خیر باد کہا اور خدا کے راستے میں اپنے جان و مال سے جہاد
کیا، پس اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہ ہی
کامیاب و کامران ہونے والے ہیں۔ ان کا رب انہیں خوشخبری سناتا
ہے (انکی قربانیوں کے بدلے میں) اپنی رحمت کی اور اپنی رضا کی۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران ٣١)
فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری غلامی اختیار کر لو، (نتیجتاً اللہ تمہیں
اپنا محبوب بنائے گا۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ١١٩)
اے اہل ایمان، اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صدق والوں کی معیت اختیار کر لو۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتٌ بَلْ أحياءٌ وَلَكِن
لَّا تَشْعُرُونَ - (الفرقان)

جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ تصور نہ کرو وہ زندہ ہیں
لیکن تم نہیں سمجھ سکتے۔

تعارف

(جناب اسد نظامی قلندر صاحب)

ہرگز نہ پیر و آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر حسیدہ عالم دوام ما
 بزرگان دین کی دینی اور روحانی خدمات کے موضوع پر بیشتر کتابیں لکھی گئی ہیں جن کے عقائد
 و اعمال میں یکسانیت دینِ حق پر استقامت، اعلائے کلمۃ الحق، کفر و ضلالت سے نفرت، حق سے
 والہانہ محبت کے تذکرے اس قدر کثیر ہیں کہ جسے احاطہ کرنا ایک انسانی عقل سے باہر ہے کیونکہ
 ان اسلاف کی خدماتِ جلیلہ اور ان کی زندگی کے مقدس واقعات پر مشتمل حالات ارضی تاریخ
 پر ثبت اور مرقوم ہیں جسکا انکار کرنا کفرانِ نعمت کے مترادف تصور کیا جانا صحیح ہے اسکی وجہ
 یہ ہے کہ بزرگان دین کا سر زمین حجاز اور دیگر علاقوں سے محض دینی خدمات کے پیش نظر
 برصغیر پاک و ہند میں تشریف لا کر اپنے کردار کی بدولت کفرستان کو اسلامستان میں تبدیل
 کیا۔ اگرچہ سلاطین نے اپنی تلوار کے بل بوتے پر مختلف علاقوں کو فتح کیا مگر بزرگان دین کے
 ہاتھوں تلوار کی بجائے نگاہِ عظمت وستی سے نہ صرف دینی عظمتوں کو قائل کرایا بلکہ مسلمان بنا کر
 مجسمہ اخلاق پیکر علم و ادب بنا دیا اگرچہ ان بزرگان دین کا وجود نہ ہوتا تو آج مساجد و مزارات کی
 بجائے پورے کا پورا برصغیر پاک و ہند فقر و مذلت کفر و شرک کی اماں جگہ تصور ہوتا۔
 درویش را بہ شہر نہ بودے اگر مقام گنتے سرا سرائیں ہمہ عالم خراب حال
 حضرت داتا گنج بخش حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت بابا
 فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سلطان العارفين سلطان باہو
 جیسی عظیم ہستیوں نے اس خطہ میں جو دینی اور روحانی معرکے انجام دیتے انکی نظیر نہیں ملتی۔
 خطہ سنام میں بھی علماء و صلحاء اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن ہوتے ہوئے دینی عظمتوں
 کے جھنڈے لہراتے۔ کفر و نفاق سے دلوں کو اپنی مقدس نگاہوں سے پاک کر کے نور ایمان سے
 لبریز کر دیا۔ حضرت خواجہ سید محمود بنوئی کا نام گرامی سر فہرست ہے جو میر کارواں کہلائے جنہوں نے
 اخلاص و محبت سے ہندوؤں کے دل جیت لئے اور مختصر قیام میں دینی اور روحانی انقلاب برپا کر
 دیا لوگوں کو صنم کدوں میں اصنام کے سامنے جہیں سائی کرنے کی بجائے راہ مستقیم پر چلایا۔ کفر و

ضلالت کو یکسر ختم کر کے دینی محبت کا مصلح بنا دیا۔ اس سرزمین میں نہ صرف حضرت سید خواجہ محمود بنوئی نے اپنی دینی اور روحانی خدمات انجام دیں بلکہ دیگر بزرگان دین کی خدمات بھی اس خطہ میں ناقابل فراموش ہیں۔

محترم میاں اخلاق احمد صاحب ایم۔ اے مدظلہ نے اس موضوع پر بڑی محنت سے تحقیق کی ہے اور مواد اور معلومات کی چھان بین میں اور فراہمی میں بڑی کاوش کی ہے۔ آپ کا موضوع ایسے ولی اللہ کا تذکرہ اور ان کی ہستی کو اجاگر کرنا مقصود ہے جس کے حالات ریت کے ذروں کی طرح مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے تھے۔ میاں صاحب نے پاپیادہ اور ذاتی مصارف پر اس مبلغ سے اکتساب فیض کیا جو قلمی، کتبی، جی یا قومی ادارے میں کہیں بھی محفوظ تھا۔ یہ ایک فرد کی کامیاب اور قابل تحسین کوشش ہے۔ اس کتاب میں آپ نے رشتہ تصوف کے ان خوبصورت اور قیمتی موتیوں کی قدر و قیمت کو علمی دنیا کے سامنے اس طرح واضح کیا جس کے لئے صوفیاء کے ارادت مند اور علمی حلقے دونوں ان کے ممنون ہیں اور مدتوں بعد ایسی مستند کتابیں منصفہ شہود پر آیا کرتی ہیں۔

عمر باد کعبہ و بت خانہ نالہ حیات تازہ بزم غیب یک انائے راز آید بیرون
حضرت خواجہ سید محمود بنوئی کی زندگی کے حالات اور انکی دینی و روحانی خدمات، مقام کی تاریخی حیثیت اور کیفیت پر جس انداز میں تحقیقی اور ملبسوط مقالہ لکھا جس پر جس قدر موصوف کو خراج تحسین پیش کیا جائے اتنا ہی کم ہے۔ جناب میاں صاحب ازین قبل تذکرہ حضرت خواجہ خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں، تذکرہ حضرت سیدنا امام علی الحق سیالکوٹی، لاہور کے دو قدیم صوفی اور تذکرہ حضرت شاہ بلاول قادری جیسی بہترین کتابوں پر علمی و تحقیقی دنیا سے اپنا لوہا منوا چکے ہیں جنہی کہ ناقدین حضرات بھی میاں صاحب کی تحقیقی دیانت پر حرف گیری نہ کر سکے۔

آخر میں خداوند کریم سے یہ احقر دست بدعا ہے کہ اسے رب العزت میاں صاحب کے پر خلوص تحقیقی انداز، بزرگان دین سے علمی اور روحانی وابستگی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ مزید بزرگان دین کے روحانی اور علمی کارناموں پر مشتمل ایسی کتابیں لکھنے کی توفیق ارزاں عطا فرما،

احقر العباد

اسد نظامی موسوی قلندر جہانیاں منڈی ضلع ملتان

ابتدائیہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ نصلی علی رسولہ الکریم

ہر کرا علم و ملک و دین باشد عین آپ حیات این باشد

راقم الحروف اس سے قبل ”لاہور کے دو قدیم صوفی“ یعنی تذکرہ حضرت سید اسحاق گازرونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ قدس سرہ اور تذکرہ حضرت سید صوف المعروف بہ حضرت سید صوف لاہوری شائع کر چکا ہے جسے تقریباً آٹھ ماہ کا عمر ہوا ہے۔ اس تذکرہ میں میں نے حضرت سید اسحاق گازرونی اور سید صوف لاہوری کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر ضروری اور دستیاب معلومات جمع کر کے سوانحی خاکہ تکمیل کر دیا ہے اور دوسرے یہ کہ دینی اور علمی خدمات، روحانی فیوض و برکات اور جہاد کے ان گوشوں کو زیادہ اُجاگر کیا جن سے شخصیت کا مشن اور رول واضح ہو جسے اہل علم حضرات اور خاص کر تشنگانِ علم و تحقیق نے بے حد پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا اور حوصلہ افزائی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس خاکسار کو چند دوستوں نے مجبور کیا کہ میں قصبہ نام مشرقی پنجاب (بھارت) کے ایک قدم نہایت فراموش شدہ عظیم صوفی اور مبلغِ اسلام حضرت خواجہ سید محمود بنوئی، بخاری ثم سناتی کے حالات و واقعات زندگی اور ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات قلم بند کر دوں۔

پنجاب کے شمالی اور وسطی حصے چوتھی صدی ہجری کے آخر تک نورِ اسلام سے منور نہیں تھے یہاں تک کہ پنجاب کے سیاسی اور معاشرتی حالات دگرگوں تھے۔ کافروں اور ملحدوں کا غلبہ تھا اور نہ جانے کتنے خود ساختہ خداؤں اور اوتاروں کی سرزمین تھی اور یہاں کے

باشندوں کے دل سے احساسِ انسانیت اور احترامِ آدمیت بالکل مفقود تھا۔ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں سب سے پہلا قدم شمال کی جانب سے غزنی کے حکمران امیر سکنتگین نے فتح پشاور کے ساتھ اٹھایا جو پنجاب کے پال خاندان کے ہندو راجہ کی حکومت میں تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے محمود غزنوی نے اس کام کو اور ترنی دی۔ اس نے ہندوستان پر مسلسل سترہ حملے کئے ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء اور ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء میں بٹھنڈا اور لاہور فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

شمالی ہند (پنجاب) میں نمائندہ حکومت قائم ہو گئی۔ ان نمائندوں کے قیام کے باعث یہاں اشاعتِ اسلام کی راہ سہل ہو گئی۔ پھر پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں صوفیاء عظام، اولیاء کرام اور علماء دینان کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور انہوں نے شمالی ہند (پنجاب) کو اپنی مستقل سکونت اور مرکز دعوت و تبلیغ کے لئے منتخب کیا اور تبلیغی مشن سے یہاں آئے مگر اکثر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی حیات کے دم قدم سے شمالی ہند (پنجاب) کا گورستان نورستان میں بدل گیا۔ ان کی شیریں گفتار، ان کا زہد و تقویٰ اور ان کی سیرت و کردار اور روحانی فیوض و برکات نے قبولِ اسلام کے سلسلے میں جادو اثر کام انجام دیا اور ایک انتہائی متعصب قوم پر گہرے اثرات چھوڑے جو مسلم قوم کو غاصب خیال کر کے اس سے شدید نفرت کرتے تھے۔ تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

یہ اسلام کے بے لوث اور مخلص مبلغین تھے۔ پنجاب کے شمالی اور وسطی حصے کا اولین مبلغ کون تھا؟ مورخین اور تذکرہ نگاروں میں اس بارے اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ پھر بھی اکثر مورخین اور تذکرہ نویس اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت شاہ یوسف گردیزی، حضرت شیخ اسماعیل محدث و مفسر لاہوری، حضرت شیخ میراں حسین زنجانی اور حضرت علی بن عثمان سجوری المعروف بہ داتا گنج بہار غزنوی میں لاہور تشریف لائے اور نامساعد حالات میں اپنی تبلیغی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے اور ظلمت کدہ میں توحید الہی اور شریعتِ اسلامیہ کی شمع کو فروزاں کیا اور لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ یہ دور شمالی ہند میں اسلام کا ابتدائی تبلیغی دور تھا۔ اسی دور میں حضرت امام سیدنا علی الحقی بھی خراسان سے لاہور تشریف لائے۔ بعد ازاں ایک لشکر کے ہمراہ سیالکوٹ تشریف لے گئے اور پھر اسی مقام پر سکونت اختیار

کی۔ اپنے اعزاء و اقارب سمیت ایک جہاد میں شہادت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔
 حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ (پیدائش ۴۲۴ھ - وفات ۵۱۵ھ) بھی اس سلسلہ کی ایک
 کڑی ہیں۔ جنہوں نے علاقہ سنام مشرقی پنجاب (بھارت) میں اگر اسلام پھیلانے میں بڑا اہم
 کردار ادا کیا۔ آپ کی تشریف آوری کے زمانہ میں ہندو دھرم کے پیروکاروں کی کثرت
 تھی۔ علاقہ سنام مشرقی پنجاب (بھارت) کفر و جہالت کی لپیٹ میں تھا اور ان لوگوں کو راہِ راست
 پر لانے کے لئے مسلسل کئی سال ناقابل برداشت اذیتیں اور صعوبتیں سہنے کے باوجود اپنے
 مشن میں اُگے بڑھتے رہے اور اس ظلمت کدہ میں بھرپور اشاعتِ اسلام فرمائی اور ہزاروں
 غیر مسلم لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت خواجہ سید محمود قریبیؒ بنو کے باسی تھے اور اسی وطن کی نسبت سے ”بنوئی“ کے نام
 سے شہرت پائی۔ ”بنو“ ایک چھوٹا سا گاؤں بیان کرتے ہیں جو زندان (ژندان) توابع بخارا سے
 چند کوس کے فاصلے پر تھا۔ جب آپ بسلسلہ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام علاقہ سنام مشرقی
 پنجاب (بھارت) میں تشریف لائے تو عوام الناس میں آداب و احترام اور عقیدت کی بنا پر
 آپ پر ”بنا بنوئی“ کے نام سے معروف ہو گئے۔

آپ پانچویں صدی ہجری کے عظیم صوفی اور عظیم مبلغِ اسلام ہیں شمالی ہند (پنجاب) میں اشاعتِ
 اسلام کے سلسلہ میں آپ کی خدمات نہایت قابلِ قدر ہیں۔ لیکن افسوس کہ آپ کی جملہ مساعی کو
 یک جا کر کے کتابی صورت میں ترتیب نہیں دیا گیا۔ معاصرانہ تذکروں اور کتب تاریخ میں ذکر نہ
 ہونے کے باعث آپ کی زندگی کے حالات بڑے حد تک پردہِ اخفا میں ہیں اور بعض مقامات
 پر خاصہ تضاد بھی نظر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ اور ماخذ مل جانے سے یہ الجھنیں رفع ہو سکیں۔
 دستِ یاب مصادر و ماخذ کی روشنی میں اس ولی اللہ کی صحیح شخصیت ان کے کارنامے
 اور ہم عصر تاریخی حالات کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں قصبہ سنام کی
 جغرافیائی حیثیت، تاریخ، نام کی وجہ تسمیہ، اہمیت اور چند مشہور، ناقابلِ فراموش اکابر شخصیتوں
 پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاکہ قارئین کو صحیح ماحول سے آشنا ہوں۔

اس تحریر میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ حالات اور واقعات بالکل درست درج کئے

جائیں۔ مبالغہ سے قطعاً اجتناب کیا گیا ہے۔ جہاں کہیں شک و شبہ پیدا ہوا ہے وہاں یا تو وہ واقعات نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ یا پوری تحقیق کے بعد رقم کٹے گئے ہیں۔ البتہ ان اکابر دین کی سوانح حیات کے ذکر میں جہاں کہیں کسی اور بزرگ یا کسی اہم اور عظیم ہستی کا نام آ گیا ہے۔ آخر میں اس کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ تحریر کر دیا ہے اور اکثر مقامات پر اصل ماخذ کے حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ مفصل مطالعہ کے لئے اصل کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

ان مبلغین اسلام جن کو ہم صوفیائے کرام یا اولیاء اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں کہ سوانح، کردار اور تعلیمات سے عوام کو آگاہ کرنا اور اصل ان کے عظیم مشن کو زندہ رکھنا ہے۔ ان اکابرین کی بے لوث اور مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ خطہ ہند میں لوگ اتنی برہمی تعداد میں اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ اور خالقہی نظام تعلیم و تربیت کا ایک جز بن گیا۔ پھر سرہند شریف کے مجددی مکتب فکر نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ اسے معراج کمال تک پہنچا دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ ”ملت ماجدا گانہ است“ اور یہ بھی بتایا کہ کفر و اسلام دو علیحدہ حقیقتیں ہیں جو کسی طرح یکجا نہیں ہو سکتیں۔ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجے میں بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں پاکستان کے نام سے ایک عظیم اسلامی مملکت معرض وجود میں آئی جسکی سیاست، ثقافت، تصوف اور شریعت جدا گانہ ہے اور اسی سبب اس ارض پاک میں آج مسلمان آزادی، عزت اور آبرو کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ترقی کی منازل پر گامزن ہیں۔

میں آخر میں اپنے دوست محترمی جناب میاں عالمگیر شجاع صاحب، سید نذیر حسین صاحب، میاں عالم حسین صاحب چیمبر، جناب خسرو صاحب (کراچی) اور جناب رام محل صاحب نا بھوی اور سیاح سماجی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے اس کتاب کی تدوین و تالیف میں میری مدد فرمائی اور حقیقی مشوروں سے مجھے نوازا، بعض قابل قدر اور نایاب کتب اور مواد فراہم کئے۔ ان کے علاوہ اپنے دوستوں اور بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے مشوروں اور دعاؤں سے نوازا۔ خاص طور پر پروفیسر کبیر احمد مظہر صاحب میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کتاب کے مسودہ پر نثر ثانی کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

میاں عبدالمجید جنجوعہ صاحب (وزیر آبادی) کا میں بے حد ممنون ہوں جن کا تعاون اول
تا آخر مجھے حاصل رہا۔ تحریر و ترتیب اور کتابت و طباعت کے جملہ مراحل میں نہایت محبت و
خلوص سے میرا ساتھ دیا۔

ناظرین سے میری استدعا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو درگزر فرمائیں اور
مجھے اپنی پیش یہاں معلومات اور زریں آراء سے محروم نہ رکھیں۔
آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائیں اور اسے
فلاح دارین کا موجب بنائیں۔ آمین! ثم آمین

خادم الفقراء

میاں اخلاق احمد عفی عنہ

(کاچھو)

۳۳۳ شاد باغ

لاہور

اپریل ۱۹۸۱ء



باب - ۱



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خانوادہ، اسم و القاب، والدین، وطن و شجرہ نسب حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ
ہماری ملی تاریخ جن درخشاں ستاروں سے عبارت ہے ان میں حضرت خواجہ سید محمود
بنوئیؒ بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں آپ مقام ”بنو“، ۲۲ رمضان المبارک ۱۰۵۵ھ/۱۰۵۵ء
میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت خواجہ سید قطب الدین بنوئیؒ تھا۔ جو
اپنے وقت کے مشہور و معروف بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بزرگان عرب
کی اولاد سے تھیں جو بڑی عابدہ، عارفہ، صالحہ، متقیہ اور صاحب کشف و کرامات تھیں۔

مقام ”بنو“ ایک چھوٹا سا گاؤں جو زندان (ژندان) سے چند کوسوں کے فاصلے پر
واقع تھا کہ رہنے والے تھے۔ علاقہ زندان (ژندان) بخارا کے توابع تھا مگر ”بنو“ ایک دُور
افتادہ، بے رونق اور غیر آباد مقام تھا جس کی آبادی جو پہلے ہی کم تھی۔ مدتوں بعد انقلابات
زمانہ کے سبب اور گھٹ کر قلیل ہو گئی یا اب مٹ چکی ہوگی۔ اس سرزمین کے باشندے
بادشاہوں و امراء کے درباروں، بڑے شہروں کی زندگی کے ہنگاموں سے دُور اور بیخبر
تھے۔ مگر بڑے خلیق، متواضع اور دیانت دار تھے۔

مشرقی پنجاب (بھارت) کے عوام میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ حضرت خواجہ سید
محمود بنوئیؒ المعروف بہ پیر بنوئیؒ افغان حملہ آور تھے۔ کسی مسلمان بادشاہ کے فوجی سردار
تھے۔ علاقہ سنام کو فتح کرنے آئے تھے۔ سنام کے ہندو راجپوت قلعہ دار سے ان کا مقابلہ
ہوا۔ اور دست بدست لڑائی میں شہادت پائی۔ سنام میں دفن کئے گئے۔

یہ روایت بھی سننے میں آئی ہے کہ حضرت پیر بنوئیؒ بنوں کو ہاٹ میں رہتے تھے وہاں
سے بات لے کر جا رہے تھے کہ راستے میں سنام کے مقام پر ایک ہندو راجپوت حکمران
جو ظالم و جابر تھا اور رعایا پر بہت ظلم کرتا تھا سے ان کا کسی بات پر تنازعہ ہو گیا۔ اس

کے سپاہیوں نے بارہا تیوں سمیت آپ کو قتل کر دیا۔ پھر گڑھا کھود کر وہاں دفن کر دیا۔ بعد میں اس مقام کا نام ”گنج شہیداں“ مشہور ہوا۔

متذکرہ روایات غیر محقق ہیں اور تاریخی لحاظ سے غیر صحیح ہیں۔ ہم بلا تردید کہہ سکتے ہیں کہ پانچویں صدی ہجری میں شمالی ہند کے مدھی علاقوں میں ”بنوں“ ”یا کوہاٹ“ ”یا بنوں کوہاٹ“ کے نام کا کوئی مقام ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ شمالی ہند (پنجاب) میں عزونومی خاندان کی حکومت تقریباً پونے دو سو سال تک رہی اور البیرونی جو ماہر علم تاریخ اور محمود عزونومی کے دربار کی زینت تھا، نے شمالی ہند (پنجاب) کے پُر رونق شہروں کی سیر و سیاحت کی اور ان کا آنکھوں دیکھا حال اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”کتاب الہند“ میں بیان کرتا ہے۔ ان میں ”بنوں“ ”یا کوہاٹ“ ”یا بنوں کوہاٹ“ کسی شہر کا ذکر نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ معروف تاریخ طبقاتِ ناصری کے اوراق اس نام کے شہر سے نا آشنا ہیں جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں یا اس سے قبل اس نام کا کوئی شہر شمالی ہند (پنجاب) میں معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ یہ محض عوام کا قیاس اور من گھڑت روایات ہیں جن سے کوئی سچائی اور حقیقت آشکارہ نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر نریش صاحب چندھی گڑھ (بھارت) مقالہ ”درگاہ حضرت محمود بنوئی سنام“ میں ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں جو عوام میں بہت مشہور و معروف ہے۔ ذکر کرتے ہیں کہ سنام سے تین میل کے فاصلے پر علاقہ ”سورج گنڈ“ میں ایک جاگیر دار حکمران تھا، سورج گنڈ اور اس کے گرد و نواح کا سارا علاقہ اس کے زیر نگیں تھا۔ سخت جابر تھا۔ سونا نام کی ایک دوشیزہ براہمن کی لڑکی تھی۔ اس کی شادی ایک نوجوان براہمن کے ہمراہ قرار پائی، بارہا اُٹی جب ڈولی لے کر واپس اپنے گاؤں جانے لگے تو حاکم کے سپاہیوں نے ڈولی کو زبردستی روک لیا اور اگے نہ جانے دیا۔ چاہتے تھے کہ وہ دلہن کو قلعہ میں حاکم کے پاس لے جائیں۔

پچار لڑکی کا باپ نار و زبون اور درمندانہ حالت میں حضرت خواجہ سید محمود بنوئی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی دکھ بھری داستان بیان کی اور مدد کا خواستگار ہوا، حضرت خواجہ نے ڈولی اور بارہا تیوں کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ محقر یہ کہ حضرت خواجہ کے عقیدت مندوں اور سرکاری اہل کاروں کے درمیان دست بدست لڑائی ہوئی۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ

بے یار و مدد کار تھے۔ اس بلوہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے بھی اس بلوہ میں شہادت پائی اور سنام میں دفن کئے گئے۔ یہ محض ایک قصہ ہے۔ اس ضمن میں تذکرہ نگاروں کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ صحیح نتیجہ اخذ کرنا محال ہے۔

حضرت خواجہ سید محمود بنوئی نے اپنے زمانے کے جید علماء اور فضلا سے تعلیم و تربیت پائی۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا کہ آپ نے ابتدائے تعلیم سے انتہائے علم تک، عالم سے محقق بننے تک اور محقق سے تصوف تک کے فاصلے کب اور کیسے طے کئے۔ آپ کے استاد گرامی کا اسم مبارک کیا تھا اور کس شہر اور مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اس بارے سوانح نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں۔ کیونکہ پانچویں صدی ہجری کا دور اس خطہ کی تاریخ کا تاریک ترین دور ہے۔ جس میں کسی عظیم پارو حافی شخصیت کے کارناموں کا باقاعدہ اور صحیح ریکارڈ مشکل سے دستیاب ہے خاص کر ان اکابر دین کا جو اس صدی ہجری میں شمالی ہند (پنجاب) میں تشریف لائے۔ جبکہ یہاں غیر مسلم اور ملحدوں کا غلبہ تھا۔ ان کے حالات زندگی ان کے علمی کارنامے ان کی روحانی فتوحات اور اس کے گرد و پیش کے واقعات کی تحقیق ایک معمہ بن گئی ہے۔ بہر حال حقائق اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ نے اپنے زمانے کے بڑے صوفی، عظیم مبلغ اور عارف شب زندہ دار تھے۔

آپ کا نسب نامہ: حضرت خواجہ سید محمود بنوئی کا نسب نامہ جو مستند کتابوں میں درج ہے اور مختلف اولیائے کرام کے پاس موجود ہے اور نسلاً بعد نسلاً محفوظ چلا آتا ہے اور صحت کی تصدیق کرتا ہے۔ یوں بیان کرتے ہیں۔

”حضرت سید خواجہ محمود بنوئی بن حضرت سید خواجہ قطب الدین بنوئی بن سید حمید الدین بن سید کریم الدین بن سید شہاب الدین بن سید حبیب الدین“

بن سید احمد ملقب بہ عبداللہ بن حضرت امام موسیٰ کاظم بن حضرت امام جعفر صادق رضی بن حضرت امام باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔“

جب آپ فارغ التحصیل ہوئے تو آپ نے راہ سلوک میں قدم رکھا۔

آپ کے بعض مشائخ طریقت اور پیر و مرشد

حضرت ابوالسحاق شامی المتوفی ۳۲۹ھ / ۹۴۰ء سلسلہ عالیہ چشتیہ کے مبتدا کہلاتے ہیں جب آپ بیعت کے ارادہ سے حضرت خواجہ محمد شاد علوی دینوی المتوفی ۲۹۸ھ / ۹۱۰ء جو اکابرین بغداد سے تھے کی خدمت میں پہنچے اور بیعت سے مشرف و ممتاز ہوئے تو حضرت خواجہ محمد شاد علوی دینوی نے پوچھا کہ آپ کا کیا نام ہے۔ آپ نے عرض کیا۔ اس عاجز کو ابوالسحاق شامی کہتے ہیں۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا آج سے لوگ آپ کو ابوالسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے جو آپ کے سلسلہ ارادت میں قیامت تک داخل ہو گا وہ بھی چشتی کہلائے گا۔ چشت اور اس کے نواح کے لوگ آپ سے ہدایت پائیں گے۔ پس آپ اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق چشت سے جوہرات سے تیس کو س کے فاصلے پر ہے، تشریف لائے اور لوگوں کی ہدایت و ارشاد میں مشغول ہوئے اور آپ کا سلسلہ عالیہ موسوم بہ چشتی ہوا۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے مجدد کہلاتے ہیں۔ آپ ہی کی ذات سے یہ سلسلہ طریقت منسوب ہے۔

اس مکتب فکر سے مختلف مراکز رونما ہوئے۔ متعدد شاخیں پھوٹیں اور اتنی ہرک اٹھی کہ فارس اور ہندوستان ان کی خوشبو سے ہرک اٹھا۔ علاقہ چشت خراسان کے ایک مشہور قصبہ کا نام ہے۔ یہ مقام روحانی اصلاح و تربیت کا ایک اہم مرکز تھا جس کو بہت مقبولیت اور شہرت حاصل تھی، مولانا رحیم بخش خلیفہ و مرید

حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر مہاں دہلوی اپنی تصنیف شجرۃ الانوار میں تحریر کرتے ہیں (ترجمہ) چشت کے نام کے دو مقام ہیں۔ ایک شہر خراسان میں جو ہرات کے قریب واقع ہے۔ دوسرا چشت ہندوستان میں اوج اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے۔ خواجگان چشت خراسان ولے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ ابواسحاق شامی پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں کے اسم گرامی کے ساتھ تذکروں میں "چشتی" لکھا ہوا ملتا ہے مگر آپ کے تفصیلی حالات بہت کمیاب ہیں۔ صرف کرامتوں کے چند قصوں اور سماع کے چند واقعات کی تفصیل مرآۃ الاسرار، شجرۃ الانوار اور خزینۃ الاصفیاء میں موجود ہے جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری شخصیت کو اجاگر نہیں کرتی۔ آپ ایک زبردست روحانی نظام کے بانی اور فکر و عمل کی صلاحیتوں کے مالک تھے جنہوں نے سلسلہ عالیہ چشتیہ کو بہت فروغ دیا۔

حضرت خواجہ سید محمود بنونیؒ کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے حضرت ابواسحاق شامیؒ تک منتهی ہوتا ہے۔ وہ یوں ہے۔ "حضرت خواجہ سید محمود بنونیؒ مرید حضرت خواجہ حاجی تشریف زندانیؒ مرید حضرت خواجہ قطب الدینؒ مودود چشتیؒ مرید حضرت ابو یوسف چشتیؒ مرید حضرت خواجہ ابو محمد بن احمد چشتیؒ مرید حضرت خواجہ ابو احمد ابدال بن سلطان فرسانہ چشتیؒ مرید حضرت ابواسحاق شامی چشتیؒ"۔

ابتداء میں برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ اور سپہروریہ کے مشائخ نے اصلاحی و تبلیغی کام انجام دیا۔ بعد ازاں قادریہ اور نقشبندیہ سلسلوں کے مشائخ تشریف لائے۔ تبلیغ اسلام اور مہذب معاشرہ کے باب میں ان سلاسل کے صوفیاء کی بڑی خدمات ہیں اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس سلسلہ کے سالارِ اعظم حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں مگر آپ کی آمد سے قبل کچھ چشتی بزرگ برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے تھے جن میں حضرت خواجہ ابو محمد بن ابو احمد چشتیؒ کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے۔

شاہان وقت تو ملک فتح کرتے تھے مگر صوفیاء و مشائخ دلوں پر حکمرانی کرتے تھے بلکہ آج

بھی کرتے ہیں۔ ان کی زندگی اسلام کے عین مطابق ہوتی تھی۔ قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا تھا۔ یہی سبب تھا جو کام تلوار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کام صوفیہ کے میٹھے بول انجام دیتے تھے۔ وہ دور دراز علاقوں، غیر معروف دیہات بلکہ جنگل پہاڑ اور ریگستانوں میں بلیٹھ جاتے تھے۔ اور اپنے وعظ، درس و تدریس، شہیریں گفتار، اخلاق و کردار اور کرامتوں سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے اور نئی نئی بستیاں بسا دیتے تھے۔ ان اکابر مشائخ نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ایسی آبیاری کی کہ وہ دیکھے دیکھے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔

حضرت خواجہ شریف زندانی پیر و مرشد حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ؟ علوم ظاہری اور باطنی میں درجہ ممتاز رکھتے تھے۔ آپ کا لقب نیر الدین اور اسم مبارک "شریف" ہے۔ زندان (پانڈن) جس سے زندانی منسوب ہے کے رہنے والے تھے جو بخارا کے توابع سے ہے اور سات پرگنوں میں سے ایک پرگنہ ہے۔ جیسا کہ سفینۃ الاولیاء اور شفاء العلیل میں درج ہے۔ بوجہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد آپ کو حاجی کہتے ہیں۔ آپ حضرت خواجہ محمود و چشتی کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے جو اپنے عہد کے جید عالم اور روحانی پیشوا تھے اور سلسلہ چشتیہ کے اکابرین سے تھے زندگی کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گزرا۔

حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی جامع کمالات ظاہر و باطن منظر جمال صوری و معنوی، صاحب خوارق و کرامات و کشف صحیح تھے۔ تمام عمر ترویج کتاب و سنت اور رفع بدعت و الحاد میں مصروف رہے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور علم و حلم میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کے حلقہ تربیت سے بڑے بڑے علماء فیض یاب ہو کر نکلے جنہوں نے بلاد اسلامیہ میں اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر کو مستفید کیا۔ آپ نے چالیس سال گوشہ نشینی، تہجد اور صحراوردی میں گزرے۔ اکثر اوقات آپ درختوں کے پتے کھاتے اور خلقت کے میل ملاپ سے دور رہتے۔ جب فاقہ آتا تو نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ اکثر روزہ رکھتے اور تین تین دن کے بعد افطار کرتے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا جو پس خوردہ کھا لینا مجذوب ہو جاتا۔ چودہ سال کی عمر سے آخری دم تک آپ کا وضو سوائے وضو حاجت کے کبھی نہیں ٹوٹا۔ جب کوئی فقیر آپ کے گھر آتا تو آپ اس کی بہت تعظیم و تکریم کرتے اور باادب ان کے سامنے

بیٹھ جاتے۔ حاضرین یہ منظور دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ آپ کو درویشوں اور فقرا سے بہت محبت اور پیار تھا۔ ہمیشہ پیوند کے کپڑے پہنتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ظاہر میں درویش ہوں۔ لوگوں سے محبت کرتا ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن درویشوں میں مجھے ٹرسا نہ ہونا پڑے اور یہ نہ کہیں کہ حاجی شریفؒ تو اللہ کا دوست تھا اور اس قسم کی دوستی مذہب عشاق میں اچھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرماتے کہ الہی مجھے ان فقیروں کی طفیل فقر و فاقہ میں ثابت قدم رکھ۔ آپ کے پاس جو کوئی بھی آتا کچھ نہ کچھ ضرور کھا کر جاتا اگر کوئی چیز ہیتا نہ ہوتی تو سادہ پانی ہی پلانے کا حکم فرماتے تاکہ وہ دن خالی نہ رہے آپ فرماتے تھے کہ فقر و فاقہ انبیاء و اولیاء کا طریقہ ہے۔ اگر خوش قسمتی سے وہ رتبہ مجھے عنایت ہو تو میں دل و جان سے کیوں نہ شکر بجالوں۔ آپ حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ کو پیار کرتے شفقت سے پیش آتے۔ اور یہ ہی تعلیم دیتے۔ حضرت خواجہ نے چند ماہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں شہر زنداں میں قیام کیا اور طریقہ سلسلہ چشتیہ کی مکمل طور پر تکمیل کی اور حاجی صاحب نے بھی بے اندازہ ہمدردیاں فرمائیں اور قرب خداوندی میں ترقی کی شہادت دی۔ پھر پیر و مرشد کی اجازت سے واپس ”بنو“ آئے اور تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے اور ہزار ہا تنگان حقیقت کو جام توحید جسے سرشار کیا۔

حضرت شریفؒ زندگی کا وصال

آداب الطالبین کے مطابق تیرہ رجب ۶۱۲ھ، سفینۃ الاولیاء کے مطابق چھ ۶ رجب ۶۱۲ھ اور مرآت الاسرار، شجرۃ الانوار اور انقباس الانوار کے مطابق تین رجب ۶۱۲ھ کو ہوا، شجرۃ طریقت میں آپ کی تاریخ وصال دس رجب ۶۱۲ھ ۱۲۱۵ء لکھی ہوئی ملتی ہے۔ آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے ہم عصر تھے آپ کا مزار مبارک زندہ میں ہے جو ملک بخارا کا ایک قصبہ ہے۔ سیر الاقطاب تصنیف اللہ دیا چشتی کے مطابق آپ کا مزار شہر قندوز میں دریا کے کنارے ہے اور قندوز میں بھی یہی مشہور ہے۔ لیکن آپ کا ہندوستان میں آنا کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا۔

ارشادات مقدسہ

۱۔ سماع اعلیٰ نعمت اور سر بزرگ ہے۔

- ۲۔ فقیر اللہ کا دوست ہوتا ہے لہذا فقیر کا دوست اللہ کا دوست ہے۔
- ۳۔ خرقہ وہ پہنتا ہے جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے سوا کسی کی محبت نہ ہو۔
- ۴۔ جب اہل سماع، سماع سنتے ہیں۔ ان کا دل حسد، کینہ اور دیگر آرائشوں سے بالکل صاف ہوتا ہے۔

باب ۳

زیارتِ حریمِ شریفین

حضرت خواجہ محمود بنوئی اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے واپس اپنے گاؤں "بنو" تشریف لائے۔ دس سال تک اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں رہے۔ اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر کو مستفید کیا۔ آپ ہدایتِ خلق، تبلیغِ اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں خود مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو احکاماتِ الہی اور پیغاماتِ رسول مقبول سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے۔ قرآن و حدیث کے مطابق مخلوق خدا کی رہنمائی فرماتے۔ اشاعتِ دینِ اسلام آپ کی زندگی کا واحد نصب العین تھا۔ دین کی حمایت میں زندگی کے ہر شعبہ میں کفر و ضلالت کے مقابلہ میں برسرِ پیکار رہے۔

زاں بعد آپ نے حریمِ شریفِ جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کی والدہ نے بہ کمال ارادت آپ کو

اجازت دی۔ آپ نے اپنے پیرو مشد کے عنایت کردہ تبرکات ہمراہ لئے اور عازم سفر ہوئے۔
 مکہ معظمہ پہنچے۔ فریضہ حج ادا کیا۔ وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ زیارتِ روضہ
 نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے آپ کے دل کو ایک گونہ اطمینان و سکون حاصل ہوا۔
 بارہ برس آپ نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور ہر سال مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ حج کے
 لئے جاتے اور حج کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آتے۔ شب بیداری، نوافل، مسلسل
 روزہ، تلاوت قرآن شریف اور مجاہدات کے اشغال کی بکثرت روایات دستیاب ہیں۔ اگر ذوقِ تلاوت
 کا غلبہ ہوتا تو پوری پوری رات پڑھنے میں گزار دیتے۔ یادِ الہی کے لئے کبھی مسجدِ نبوی کبھی بستی
 مدینہ اور کبھی ویرانوں میں بے تاب نظر آتے۔ بارہ برس کے قیام کے دوران آپ نے کئی ہزار
 مرتبہ ختم قرآن پاک کیا۔ اور حافظانِ حافظِ ولی اللہ، کا خطاب پایا اور اسی نام سے مشہور زمانہ ہو
 گئے۔ آپ اکثر روزہ سے رہتے تھے۔ شام کے وقت پانی اور چند کھجوروں سے روزہ فطار کرتے
 تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی آپ کو مقبول خاص و عام کر دیا۔

روایت بیان کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں قصبہ ستام میں ہندوؤں کا ایک معبد تھا۔ اس کا
 پیشوا ایک ہندو راجہ تھا۔ موجودہ علاقہ جالندھر اور اس کے گرد و نواح کا سارا علاقہ اسکی حاکمیت
 میں تھا۔ بڑا جاہل تھا۔ شروع شروع میں جو چند مسلمان یہاں آباد تھے۔ وہ اس سے بہت تنگ
 اور پریشان تھے۔ گوان کی تعداد بہت کم تھی مگر ان کے دل نورِ ایمان سے منور تھے اور اسلامی جذبات
 ان میں نمایاں تھے۔ عزت و ناموس کی خاطر قربان ہونے کو ہر گھڑی تیار رہتے تھے۔ ہمیشہ حق و
 صداقت کی آواز کو بلند کرتے۔ ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی چکی میں پتے ہوئے انسانوں کی مدد کرتے۔
 ظالم کا ہاتھ روکتے۔ ان بندگانِ خدا کا حکمران راجہ سے کسی بات پر تنازعہ ہو گیا جس نے بلوہ کی صورت
 اختیار کر لی۔ راجہ نے اپنی منتشر جمعیت اکٹھی کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مسلمان جو بے یار و
 مددگار تھے۔ اس بلوہ میں شہید ہو گئے۔ اور خطہ ستام میں دفن کئے گئے۔ قتل و غارت اور شہادت
 کی وجہ سے مقامی باشندوں نے اس مقام کو گنجِ شہیدان کے نام سے پکارا۔ یہ مقام آجکل موجودہ
 ستام کے سول ہسپتال کے جنوب مغربی گوشہ میں واقع ہے اور گنجِ شہیدان کے نام سے موسوم ہے۔
 مذکورہ بالا روایت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اپنے اندر ایک حقیقت

رکھتی ہے۔ یہ علاقہ ویدک، رامائن اور جہا بھارت کے زمانہ میں اور اسلامی عہد میں ہمیشہ میدانِ کارزار رہا۔ قبل از اسلام اس مقام پر بہت سی جنگیں ہوئیں۔ ظہور اسلام کے بعد بھی یہ مقام کئی بار آباد و ویران ہوا۔ برسوں تک یہ جگہ ویران رہی۔

بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جہا بھارت میں یہاں شدید بارش ہوئی جس کے سبب دریائے راوی اور ستلج میں طوفانِ عظیم برپا ہوا۔ ان دریاؤں کا پاٹ ایک ہو گیا۔ اس سیلاب اور طوفان نے شمالی ہند (پنجاب) کے تمام علاقوں کو اپنی زد میں لے لیا اور وسطی خطہ (دوآبہ) کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جس میں عرصہ دراز تک کسی انس و جان کا نام و نشان نہ تھا۔ اور یہ خطہ مدتِ مدید تک بالکل بیابان کی صورت میں پڑا رہا۔ اس خوفناک طوفان کے کئی سو سال بعد تک یہ جگہ ویرانہ جنگل کی صورت میں رہی۔ پھر آہستہ آہستہ خوشخوار درندوں اور وحشی جانوروں کا مسکن بن گئی۔ پھر یہ سارا علاقہ ”کورون“ (یعنی کورو کا جنگل) کے نام سے پکارا جانے لگا۔ دریائے ستلج کو پرانے زمانے میں شیوجی شیوجرا اور سردر بھی کہا جاتا تھا اور دریاے راوی کا قدیم ترین نام پارشنی اور دریاے ابراوتی بھی کہتے تھے۔ محققین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ سرسبز و شاداب خطہ تاریخی قدامت اور اہمیت کا حامل ہے جو کئی بار اجڑا اور پھر سے آباد ہوا۔

بعد ازیں کورو کے خاندان کی نسب سے چند حکمرانوں نے اپنے نام پر چند چھوٹی چھوٹی بستیاں بسائیں اور ان کو آباد کیا ان میں ایک بستی ”سورج پور“ کے نام سے بھی معرض وجود میں آئی مگر تاریخ کے اوراق اس مقام کی انسانی تہذیب و تمدن، ادبی و ثقافتی تاریخ اور گزشتہ واقعات کی تفصیل بیان نہیں کرتے جس سے سن اور عہد کا تعین ہو سکے۔ اب یہ امر ایک معتمد قابل تحقیق و حل ہے۔

اسلامی دور میں شہاب الدین غوری نے اس مقام کو رونق دی اور غیاث الدین بلبن کے عہد میں وسعت پائی۔ بادشاہوں نے اس مقام کو زندہ رکھنے اور پروانہ بنانے کی خاطر ایک اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس کے لئے دیگر اسلامی ملکوں سے مجید علماء اور فضلاء بلوائے گئے۔ عربی اور فارسی زبان کو فروغ ہوا۔ اور ترقی کی منازل طے کرنے لگے۔

علاوہ ازیں اس مقام کو فوجی اہمیت بھی حاصل تھی۔ غیاث الدین بلبن فنونِ حرب کا ماہر تھا۔ اُس نے دفاع کو مضبوط بنانے کے لئے تین دفاعی لائنیں قائم کیں، اور ہر لائن میں قلعوں، چھاؤنیوں

اور فوجی مورچوں کا اہتمام کیا تاکہ سرحدی علاقوں سے پارہ تخت دہلی تک آنے میں دشمن کو تین مقام پر سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ پہلی لائن اُچ اور ملتان پر تھی، دوسری دیپالپور اور پاک پتن پر اور تیسری سامانہ، سُنام اور ہالسی کے مقامات پر، ہر دفاعی لائن کے قلعوں اور چھاؤنیوں میں سامانِ حرب اور خوراک کے ذخائر موجود تھے۔ سُنام میں ایک مضبوط قلعہ تھا جو چھاؤنی کے طور استعمال ہوتا رہا۔ اس قلعہ کے اندر سوار اور پیادہ فوج رہتی تھی۔ اُن کی تعداد کے بارے تاریخ کے اوراق بالکل خاموش ہیں۔ بہر حال یہ علاقے لاہور اور دہلی کے درمیان ایک مرکزی حیثیت کا ثبوت دیتے تھے۔

زمانہ گزرتا گیا۔ حالات بدلتے گئے۔ ان بے نوا اور غریب الوطن مسلمانوں کی قتل و غارت کی خبر گھومتی ہوئی اسلامی ممالک تک پہنچی۔ حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ ابھی مدینہ منورہ میں ہی تشریف رکھتے تھے کہ آپ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی داستان سنی اور تڑپ اٹھے۔ دن اور راتیں سوز و درد میں گزریں۔ جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالسیف کے لئے تیار ہو گئے۔

باب - ۴

آپ کا سفر ہندوستان اور سُنام میں قیام

حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ نے ایک تبلیغی جماعت تیار کی اور مبلغین کو اپنے حلقہ میں رکھ کر ان کی پوری طرح تربیت کی۔ پھر اشاعت اسلام کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے ہندوستان کے سفر کا ارادہ کیا۔ کیونکہ سلاطین غزنویہ کی فتوحات کے باعث شمالی ہند (پنجاب) میں اُتار دین اسلام کی راہ بہت آسان ہو چکی تھی۔ پہلے آپ بغداد کی جانب تشریف لے گئے۔ شہر میں داخل ہوئے اور حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں پہنچے۔

حضرت خواجہ سید محمود بنوئی چند ماہ حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں رہے آپ کی خالقہ بہت بڑی تربیت گاہ تھی۔ فقراء اور صوفیاء کی جماعتیں کی جماعتیں زیر تربیت رہتی تھی، بہت سے اولیاء اور مشائخ اپنے اپنے علاقوں سے گاہے بگاہے حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ اسی خالقہ میں زریران، نہروان، بادزان، موصل، عراق، عرب، عراق عجم اور سرزمین شام تک کے لوگ شامل نظر آتے تھے جو علمی اور روحانی تربیت حاصل کرتے تھے۔ یونانی اور اصلاحی تربیت حاصل کرنے کے بعد ارشاد و تلقین کا ایسا ہنگامہ برپا کرتے کہ ان کا ملک ان کی شعلہ نفسی سے گرم ہو جاتا اور ہزاروں انسان نے ہدایت پائی۔

حضرت غوث الاعظمؒ نے اپنی زندگی کے ابتدائی سترہ سال وطن میں گزارے پھر نو سال تک بغداد میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ پچیس سال عراق کے جنگلوں میں ریاضت و مجاہدات کے ذریعے منازل سلوک طے کئے۔ چالیس سال تک وعظ، تبلیغ، تدریس و تعلیم ارشاد و ہدایت، اعلائے کلمۃ الحق اور اصلاح خلق میں صرف کئے۔ ہزاروں بندگانِ خدا کو شمع ہدایت سے روشن کیا۔ بالآخر اکانوے برس کی عمر میں یہ آفتابِ غوثیت غروب ہو گیا۔ ۱۱ ربيع الثانی ۵۶۱ھ / ۱۱۶۵ء میں وفات پائی۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ سید محمود بنوئی کی ملاقات حضرت غوث الاعظمؒ سے مدرسہ نظامیہ بغداد میں ہوئی ہوگی۔ جہاں آپ تعلیم حاصل کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت غوث الاعظمؒ نے مدرسہ ابو سعید المحرقی میں درس و تدریس کا کام ۵۲۸ھ / ۱۱۳۳ء میں شروع کیا تھا اور حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ اس زمانے سے بہت پہلے قریباً تیرہ (۱۳) سال قبل ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء میں ہندوستان میں فوت ہو چکے تھے۔

حضرت غوث الاعظمؒ سے رخصت پا کر آپ اپنے تبلیغی مشن پر جانب ہندوستان متوجہ ہوئے۔ ہندوستان جانے سے قبل آپ اپنے وطن ”بنو“، تشریف لے گئے۔ والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی والدہ اپنے فرزند ارجمند کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور فرمایا ”بیٹا! تم چند روز یہاں قیام کرو میں آپ کی شادی خانہ آبادی کرنا چاہتی

ہوں۔“ حضرت خواجہؒ اپنی والدہ ماجدہ کی اس خواہش پر رضا مند ہو گئے۔ آخر آپ کی شادی
شعار نبوی صلعم کے مطابق بسقیہ نامی خاتون جو منقیہ اور عابدہ تھی سے انجام پائی۔ کچھ عرصہ
آپ نے اپنے وطن میں قیام کیا پھر اپنی والدہ ماجدہ اور دیگر اقربا سے رخصت حاصل کی اور
ہندوستان کی جانب جہاں گفر اور الحاد کا غلبہ تھا، کا سفر اختیار کیا۔ آپ کے چھوٹے بھائی بھی
شریک سفر ہوئے۔ یہ مختصر سا قافلہ وسط ایشیا کے علاقوں سے گذرتا ہوا چند سالوں
کی مسافت کے بعد ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں داخل ہوا۔

دوران سفر آپ کا ایک دور افتادہ۔ بے رونق اور غیر آباد علاقہ سے گزر ہوا۔ اس علاقے
کے لوگ کج طبع، بد مزاج اور بد اعتقاد تھے۔ گناہوں سے آلود تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ان کی شکلیں
بھی بگڑی ہوئی نظر آتی تھیں۔ آپ کی خدمت میں آئے اور اپنی بد کرداری کا واقعہ بیان کیا۔
آپ نے خداوند تعالیٰ کے حضور میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور یہ
ناہنجار قوم مشرف بہ اسلام ہوئی اور حلقہ ارادت میں شامل ہوئی۔ غرض کہ آپ جس مقام سے
گذرتے وہاں کے مقیم آپ کے زہد و تقویٰ علم و فضل، شیریں گفتار اور روحانی گہرائیوں سے
اس قدر متاثر ہوتے کہ مذہب اسلام قبول کر لیتے۔ ۳

بیان کرتے ہیں کہ جس جنگل یا ویرانہ سے آپ کا گزر ہوتا تو اس مقام کے جنگلی اور صحرائی
درندے، پرندے اور چوپائے سب آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور ایک دوسرے کو گزند نہ
پہنچاتے بلکہ آپ کی شفقت۔ مہر و محبت اور نعمتوں سے مالا مال ہوتے۔ آپ صاحب ولایت
ہونے کے علاوہ تصوف میں ایک عالی مقام بھی رکھتے تھے۔ آپ کے احوال اور مقامات کی
فہمیں، سیر و سلوک، روحانی پرواز اور بلندی معرض بیان میں نہیں لائی جاسکتی۔ آپ اسلام
کے بے لوث اور مخلص مبلغ تھے۔ جن کو ہم صوفی اور ولی اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ذرا
خیال فرمائیں کہ بخارا کے سادات عظام کا ایک اجنبی فرد کا اجنبی سرزمین پر مخالفین کے زرع
میں تبلیغ کرنا جو ہم زبان اور ہم مشرب بھی نہ تھے۔ کتنا مشکل اور صبر آزمایا کام تھا۔ مگر آپ نے یہ
کام نہایت حوصلہ مندی جرات اور کامیابی سے انجام دیا۔

آخر حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ چند برسوں کا صبر آزمایا اور دشوار راستہ طے کرتے ہوئے

علاقہ سنام میں داخل ہوئے۔ آپ نے سنام سے کچھ دور ایک ویران مقام پر قیام کیا۔ اسکا سبب یہ تھا کہ آپ عبادت و ریاضت کے لئے یکسوئی کے متلاشی تھے اور سکونِ قلب اور استغراق کے لئے گوشہ نشینی پسند تھی۔ شہروں کی زندگی کے ہنگاموں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ ویرانہ اور جنگل آپ کو پسند تھا۔

مصادر اور ماخذ کی کمی کے باعث آپ کے ابتدائی دورِ سفر، علمی، تبلیغی، صوفیانہ سرگرمیوں اور تصنیفات کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ چند باتیں جو مقدسین علماء، فضلاء اور صلحاء سے آپ کے بارے دستیاب ہوئیں صرف ان ہی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

باب ۵

سنام تعارف

سنام جس قدر قدیم ہونے کا دعویٰ کرے بجائے۔ اس بستی کے موجودہ آثاروں میں مزاراتِ اولیاء کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ آثار اسلامی ثقافت اور تاریخ کے آئینہ دار ہیں۔ زمانہ ماضی کی امانت ہیں اور قدیم تہذیب و تمدن کا عکس پیش کرتے ہیں۔ آثاروں اور مزارات کی موجودگی کی بنا پر یہ مقام قابل ذکر ہے اور قابل دید بھی۔ اس سرزمین کے کھنڈرات، مقدس مزارات، مسماطلعے، منہدم فصیلیں، ٹوٹی پھوٹی قبریں، گلی گلی، کوچہ کوچہ میں شہیدوں کے مزارات اور پرانے قبے اپنی گذشتہ عظمت اور پے در پے انقلابات کا بھی پتہ دیتے ہیں۔ یہ مقام دینی، علمی اور روحانی حلقوں میں بہت مشہور و معروف ہے اور پرانی عمارات، مکانات، دوکانات، مساجد، تالاب، مندروں، درگاہوں سراؤں، کنوؤں، تجارتی منڈی اور کشادہ سڑکوں سے مزین تھا۔ مگر اب یہ بستی بہت کم

رقبہ میں آباد ہے۔ زیادہ رقبہ ویران اور پرانے کھنڈرات سے پر ہے۔ یہ بستی ایک کھنڈر کے بعد دوسرے کھنڈروں پر تعمیر ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ کتنے حکمرانوں کے قلعے، محلات اور مکانات اس مقام پر تعمیر و برباد ہوئے۔

۱۔ جاتے وقوع

امپریل گزیٹ آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۰۸ء ایک سرکاری اور قابل اعتماد دستاویز شمار کی جاتی ہے۔ اس میں درج ہے کہ تحصیل سنام کرم گڑھ نظامت اور پٹیالہ ریاست میں ۱۲° ۲۹' ۱۲" ڈگری (۱۲° ۲۹' ۱۲") اور ۱۴° ۳۰' ۱۲" ڈگری (۱۴° ۳۰' ۱۲") شمال اور ۷۵° ۴۰' ۱۲" ڈگری (۷۵° ۴۰' ۱۲") اور ۷۶° ۱۲' ۱۲" ڈگری (۷۶° ۱۲' ۱۲") جانب مشرق رقبہ ۲۸۶ مربع میل واقع ہے۔ سن ۱۸۹۱ء میں اس استان کی آبادی ۲۲,۴۸۴، نفر تھی۔ پھر سن ۱۹۰۱ء میں ۲۱,۴۹۸، نفر گئی۔ قصبہ سنام اس تحصیل کا صدر مقام ہے جس کی آبادی سن ۱۹۰۱ء میں ۶۹,۱۹۰، نفر تھی۔ یہ تحصیل ۱۲۲ دیہات پر مشتمل تھی جس کا لگان سن ۱۹۰۳ء-۱۹۰۴ء میں اڑھائی لاکھ روپیہ حاصل ہوتا تھا۔ قصبہ سنام جو تحصیل کا صدر مقام ہے۔ کرم گڑھ نظامت اور پٹیالہ ریاست میں ۳۰° ۶۸' ڈگری (۳۰° ۶۸') شمال، ۷۵° ۵۵' ڈگری (۷۵° ۵۵') مشرق پر واقع ہے۔ یہ قصبہ پٹیالہ سے ۳۳ میل جنوب مغرب میں آباد ہے اور ایک پکی پختہ سڑک سے ملا ہوا ہے۔ یہ قصبہ کاروباری اور تجارتی لحاظ سے اتنا معروف نہیں لیکن روٹی کی چادریں دکھیس اور چوتھی (چوتھی) اعلیٰ قسم کی تیار ہوتی ہیں اگرچہ اب اس قصبہ کو کوئی اہمیت نہیں رہی لیکن اس نے پنجاب کی تاریخ میں اسلامی دور میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ البیرونی اسلامی دور سے قبل اپنے زمانہ کا ایک معروف شہر بیان کرتا ہے۔ پرانی آبادی "سورج پور" کہلاتی ہے جو "سورج کٹھ" POOL OF THE SUN کے قریب آباد تھی جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اور سلطان فیروز شاہ نے اس قصبہ میں ایک نہر جاری کروائی اور سن ۸۰۱ھ / ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور نے اس مقام پر حملہ کیا اور اکبر بادشاہ کے عہد حکومت میں یہ سرہند کا ایک پرگنہ بن گیا۔ اس کے بعد

پھر اسے پُرانی تاریخی اہمیت حاصل نہ ہو سکی۔

جزائر ریاست پٹیالہ تصنیف سردار پرتاپ سنگھ (سن ۱۸۸۱ء) میں تفصیل کے ساتھ یوں مرقوم ہے۔ "تھیل سنام۔ اس تحصیل کا رقبہ ۲۹۲ ۱/۲ میل مربع یعنی ۵۰۲۳۰۳۔۵۰ سیکھے پختہ اور سالانہ آمدنی دو لاکھ اٹھ ہزار پانچ سو چھتیس (۲،۶۸،۵۳۶) روپیہ جس میں تینتیس ہزار پانچ سو بانوے (۳۳،۵۹۲) روپیہ آمدنی متفرقات اور باقی محاصل اراضیات ہے۔ بعد وضع انعام نبرداریاں وغیرہ دو لاکھ چھپن ہزار ایک سو ترانوے (۲،۵۶،۱۹۳) روپے ریاست کو حاصل ہوتا۔ اس تحصیل کے ۱۲۱ دیہات اور قصبات ہیں ۱۱۸،۹۰۹ آدنی آباد ہیں۔ مزید تحریر کرتے ہیں۔ "سنام۔ بھوانی گڑھ سے ۱۶ میل جنوب مغرب کی طرف اور ریاست گاہ سے ۲۷ ۱/۲ میل کی دوری پر پرانا قصبہ ہے۔ ایک تاریخ کی رو سے جس میں محمود بنوئی صاحب کے حالات درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً نو سو سال سے یہ شہر آباد ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے یہ شہر سورج کنڈ کے پاس جو سنام سے کوس بھر کے فاصلے پر ہی آباد تھا مگر اب دو سو برس (۲۰۰) سے اس زمین پر آباد ہے۔ اس کے گردا گرد چوآ (نالہ) بہتا ہے جب کبھی یہ چوآ طغیانی پر آتا ہے تو کھیتوں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے مگر قصبہ سنام کو بلندی پر آباد ہونے کے سبب کچھ آسیب نہیں پہنچتا۔ اس شہر کی کل عمارات پختہ ہیں اور بعض بہت پرانی ہیں۔ یہاں اکثر بزرگان اہل اسلام کے مزار ہیں جن میں خواجہ گوہر قاضی معزالدین گنج شہید اور مقبولی شاہ معروف ہیں۔ خواجہ محمود بنوئی صاحب کا مزار شہر سے مشرق کی جانب، بدین سبب کہ اس جگہ ہر سال ماہ چیت میں میلہ ہوتا ہے۔ جس میں دور دور کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ معابد ہنود سے بھائی مول چند صاحب کا ڈیرہ، سورج کنڈ، سیتا اور گنگا کے تالاب بہت مشہور ہیں۔ سورج کنڈ جو شہر سے تقریباً ۱۶ میل کے فاصلے پر ہے بہت پرانا تیرتھ ہے۔ سیتا سراس ضلع کے لوگ اس تالاب کو "پہویہ" کے برابر ایک مشہور تیرتھ مانتے ہیں۔ "پہویہ کر تھیل" ریاست کے قریب پندرہ میل دریا سے سرستی کے کنارے واقع بیان کیا جاتا ہے۔"

سنام (ریاست پٹیالہ کی تحصیل) میں ۱۲،۲۲۳ نفر آباد ہیں۔ تھانہ اور تحصیل بھی صدر مقام ہے۔

سرکار کی طرف سے ایک مدرسہ اور شفاخانہ اس جگہ قائم ہے۔ پگڑی، چوٹی اور کھیس یہاں عمدہ بنتے ہیں اور دسا اور کو بھیجتے جاتے ہیں، جانب جنوب شہر کے ایک پختہ چھوٹی اینٹوں کا قلعہ بنا ہوا ہے۔

علاوہ ازیں پنڈت گنیش لال اپنی تصنیف جغرافیہ ریاست پٹیالہ میں یوں رقم طراز ہیں۔
 ”سنام ایک پُرانا قصبہ سطح زمین سے بلندی پر آباد ہے زبان ترکی میں سنام اونٹ کی کوہان کو کہتے ہیں۔ جب علاؤ الدین غوری کا گزرا اس جگہ پر ہوا اور اس زمین کو پست و بلند اونٹ کے کوہان کی مانند پایا تو اسے سنام کا نام دیا۔“

اس بارے پنڈت جی کی تحقیق کمزور ہے کیونکہ سلطان علاؤ الدین غوری سے قبل غزنویوں کے عہد حکومت میں سنام کا وجود تھا، البرونی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”کتاب الہند“ میں جن شہروں کا ذکر کرتا ہے ان میں ایک سنام بھی بیان کرتا ہے۔ ہند کی تاریخوں کے مطالعہ سے ایک حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ سنام سے پہلے یہ علاقہ سورج پور کے نام سے بھی مشہور تھا۔ چو یعنی تیرہ وانی ندی جس کو ہنسلا ندی بھی کہتے ہیں سیراب کرتی تھی۔ اس قصبہ کی عمارات پختہ تھیں اور سڑکیں کشادہ تھیں۔ اب تقسیم ہندوستان کے بعد اور ریاست پٹیالہ کے ختم ہوجانے پر یہ سارا علاقہ مشرقی پنجاب (بھارت) کا ایک حصہ بن گیا ہے اور اسے دوبارہ کاروباری شہر کی حیثیت حاصل ہو رہی ہے۔ ترقی یافتہ علاقوں میں بھی اسکا شمار ہو رہا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات کے بعد ہم اس حقیقت کو پہنچ جاتے ہیں کہ سنام ایک بہت پُرانا شہر ہے۔ جس کی تاریخ کے درخشاں ابواب اس کی متلی اور مذہبی تاریخ سے عبارت ہیں اور مرزا حضرت خواجہ سید محمود بنوئی نے تقریباً نو سو (۹۰۰) برس سے موجود ہے۔ اسے عہد غزنوی کی دیگر نشانیوں میں ایک اور اہم نشانی کا اضافہ شہر سنام میں سمجھنا چاہئے مگر اس بارے تذکرہ نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں اور کوئی نشاندہی نہیں کرتے۔

۲۔ سنام کے نام کی وجہ تسمیہ

سنام کے نام کے متعلق مختلف روایات دستیاب ہیں۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کا ایک اسکالر

رہا فوجا سنگھ اپنی تحریر ”پٹیالہ اور اس کا تاریخی قرب و جوار“ میں قصبہ سُنام کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

SUNAM-A CONTRACTION OF "SHUBHNAM" WHICH IN SANSKRIT MEAN "GOOD NAME"

سُنام سُمنکرت ”شُبدا“ (آواز) ہے جس کے معنی اچھا نام (سُندر نام) اور لغات میں سُنام کا مفہوم زمین کا درمیان یا مرکز بیان کرتے ہیں۔ ترکی زبان میں سُنام کو اونٹ کا کوہان بیان کرتے ہیں سُنام کے لوگ ایک قلعہ میں آباد تھے جسے بیرونی حملہ آوروں نے کئی بار تباہ و برباد کیا اور اُس کی عمارت کھنڈروں میں تبدیل ہوئیں۔ کھنڈرات پھر سے آباد ہوئے۔ ان پر نئے نئے قلعے اور نئی نئی عمارت تعمیر ہوئیں۔ قلعہ، برج اور عمارت کے گرنے اور مٹی ملبہ میں دب جانے سے زمین کی سطح ناہموار ہو گئی اور یہ بلند و پست مقام اونٹ کے کوہان کی مانند نمودار ہو جانے سے اس بستی کو ”سُنام“ کا نام دیا گیا۔

ابیرونی اپنی ممتاز تصنیف ”کتاب الہند“ میں جن شہروں کا ذکر کرتا ہے ان میں ایک خوبصورت شہر سُنام کا بھی ذکر آتا ہے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ غزنویوں کے عہد حکومت میں اس کا وجود تھا اور نمائندہ حکومت کے قیام کے سبب اشاعتِ اسلام نے نشوونما پائی اور شمالی ہند (پنجاب) سلطنتِ غزنی کا ایک حصہ بن گیا۔ جس نے دارالحکومت کے ماحول سے متاثر ہو کر تمام اسلام کے علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف میں ترقی کی اور اس کی روشنی سے علاقہ سامانہ اور سُنام کے باسی بھی منور ہوئے۔

روایت بیان کرتے ہیں کرشن جی جہاراج کی نسل سے ایک راجہ سومن پال تھا۔ اس نے اس مقام کو آباد کیا۔ جسے تقریباً گیارہ سو سال گزر چکے ہیں۔ اس مقام کا نام اپنے نام سومن پر رکھا گیا جو بگڑ کر ”سونام“ بن گیا پھر ”سُنام“۔ اس کے علاوہ عرصہ قدیم سے ایک اور روایت چلی آرہی ہے جسے اس بستی کے باسی فخر سے بیان کرتے ہیں کہ سُنام میں ”سونا“ نام کی کوئی گوجر رہتی تھی جس نے اپنی خدمات کے بدلے شہاب الدین غوری سے اس بات کی اجازت لے لی تھی کہ وہ اپنی بستی کی آبادی کو قلعہ کے اندر آباد کرے اور بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھے۔ پھر اس بستی کا نام ”سونام“ یا ”سُنام“ پڑ گیا۔ مگر مستند تاریخ کے اوراق سومن پال اور

سونا گوجری کے نام سے نا آشنا ہیں یہ محض لوگوں کا قیاس اور من گھڑت کہانی ہے۔
مولوی محمد صالح کنجاہی نے سلسلۃ الاولیاء میں اس لفظ کو یوں بیان کیا ہے :-

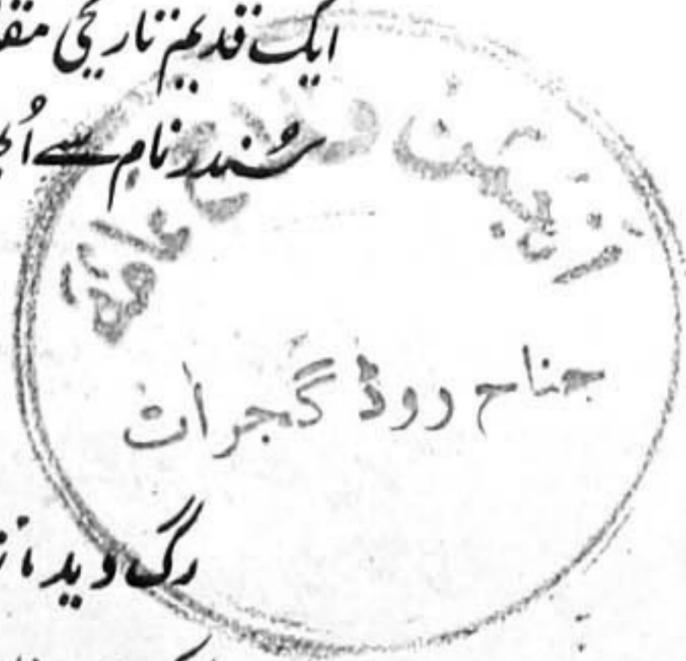
”سنام بضم سین مہملہ و تشدید نون قصبہ ایست از توابع سہرند۔“

اس کے علاوہ شہاب الدین غوری اور سلطان بلبن کے عہد حکومت میں یہ لفظ ”سنام“
ہی لکھا اور پڑھا گیا ہے۔ امیر تیمور کے حملہ ہند کے بعد اور مسلم انڈیا کے دوراں کتب تاریخ میں
”سنام“ لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ مغلیہ دور میں یہ علاقہ سہرند کا پرگنہ تھا اور ”سنام“ کے نام سے
درج ہے۔

مشرقی پنجاب (بھارت) کی سرکاری دستاویزات اور اہل علم و ادب کی اکثر تحریروں
میں ”سنام“ کی بجائے ”سنام“ ہی لکھا ہوا ملتا ہے۔ موجودہ دور سے قبل مہاراجہ آلاسنگھ
جو ریاست پٹیالہ کا بانی کہلاتا ہے، کے اہل کاروں نے بھی ریاست کے سرکاری کاغذات
میں اس بستی کا نام ”سنام“ ہی لکھا ہے مگر آج سے تقریباً عرصہ نو سو سال قبل یہ بستی ”سنام“ کے
خوبصورت نام سے پکاری جاتی تھی۔ اور قدیم کتب میں لفظ ”سنام“ ہی لکھا ہوا پایا گیا ہے
راقم کے خیال میں ”سنام“ ایک خوبصورت اور دلآویز نام ہے جو قیمتی اور حکمتی ہوئی باری
دھات ”سونا“ سے مشتک اور سا جھے ہے۔ جسے اس بستی کے بسانے والے نے پسند کیا اور پکار
اس نام سے اس مقام کی اہمیت اور بانی کی عقل و فراست کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔
بہر حال ہم کہہ سکتے ہیں اور یہ بات ثابت بھی ہو چکی ہے کہ ”سنام“ شمالی ہند (پنجاب) کا
ایک قدیم تاریخی مقام ہے۔ جس کی موجودگی مغز نویوں کی فتوحات کے ساتھ ساتھ ”سنام“ کے
سنام نام سے اُبھری اور اُجاگر ہوئی۔

(۳) سنام کی تاریخ

رگ وید، زمانہ ویدک کی ایک قدیم کتاب ہے جس کی تالیف کو دو ہزار برس قبل از مسیح
سے لے کر دس ہزار سال قبل از مسیح تک مورخین تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کی مذہبی کتاب



ہے جو مختلف انواع کے منتروں سے بھری ہوئی ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ رگ وید کا بیشتر حصہ ندی سرسوتی (سرتی) کے کنارے ریشیوں پر اترتا تھا۔ ندی سرسوتی (سرتی) زمانہ ویدک میں سنام کے پاس بہتی تھی اور اس علاقہ کو سیراب کرتی تھی۔ یہ وہی مقام ہے جہاں پر رگ وید کی تکمیل ہوئی۔ زمانہ ویدک میں اس بستی کا نام جسے اب ہم سنام کے نام سے پکارتے ہیں سنام نہیں تھا لیکن جگہ اس آبادی کی وہ ہی ہے۔ جہاں موجودہ سنام آباد ہے۔ سنام کا پرانا نام "سورج پور" بیان کرتے ہیں جو سورج کنڈ کے باس آباد تھا اور مغربی تاریخوں میں "POOL OF THE SUN" کے نام سے منعارف ہو چکا ہے۔ لیکن اس سے پہلے اس بستی کا نام "سر پور" بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔

بہر حال یہ ایک قدیم شہر ہے۔ یہاں کے باسی ہمیشہ اپنے ویدک دھرم کو مانتے تھے۔ اور بدھ مت کے پرچار سے متاثر نہیں ہوئے۔ کتب تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ معروف چینی سیاح "فاہیان" اور "ہیون سانگ" نے اپنے سفر ناموں میں اس جگہ کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ ان کی نگاہوں میں ہر وہ علاقہ اہمیت سے خالی ہوتا۔ جہاں بدھ مت کی کوئی بات قابل بیان نہ ہوتی۔ البتہ جالندھر جو کہ بہت پرانا شہر ہے۔ "ہیون سانگ" اس کا ذکر اپنے سفر نامے میں کرتا ہے۔ راجا کنشک کے عہد حکومت ۱۰۰ء میں اس مقام پر بدھ مت کے علماء کی ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی اور بدھ مت کے اصول و قواعد مرتب ہوئے اور بدھ کی تعلیمات کو عام کیا گیا اور ان کی تعلیمات کو پالی اور میگا زبان سے پہلی بار سنسکرت زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

زمانہ رامائن میں بھی سنام کی موجودگی کے نشانات ملتے ہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ سنام کے شمال مغربی حصہ میں ایک بہت بڑا تالاب "سیتاسر" کے نام سے مشہور ہے جو ایک مشہور تیرتھ تھا اور آج بھی ہندوؤں کا مقدس مقام ہے۔ ہندو مورخین اس بارے بیان کرتے ہیں کہ جب کسی دھوبی کے کہنے پر رام چندر جی نے سیتا جی کو بن باس دے دیا تو وہ ہر شئی والیک کی گٹیا میں جا کر رہنے لگیں اور ایک بار تالاب پر آئی تھیں اور اس میں استنان غسل کیا تب سے لوگ اس تالاب کو "سیتاسر" کے نام سے پکارنے لگے اور ہندوؤں کی تاریخوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس سے قبل اس تالاب کا نام "پدما سر"

”اور شیل سر“ بھی تھا مگر اس نام کا پس منظر، نسبت اور تعلق کی تفصیل حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ رام چندر جی کی والدہ کوشلیا علاقہ گھڑام کی رہنے والی تھی جو سنام چند کوس کے فاصلے پر واقع ہے یہ سارا علاقہ راجہ کوشل کی سلطنت میں تھا۔

مہا بھارت کے زمانہ میں سنام کے گرد و نواح کا سارا علاقہ ”کوروبن“ کورو کا جنگل کہلاتا تھا۔ اس جنگل میں خطہ سنام شامل نہیں تھا۔ مگر ان کی سرحدیں تھوڑے فاصلے پر واقع تھیں۔ سنام کو اس وقت کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ دورِ غزنوی میں سنام کا نام اُجاگر ہوا اور بعد میں اس کی ترقی میں اضافہ ہوتا گیا۔

پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ (بھارت) کا ایک اسکالر سردار فوجا سنگھ اپنی تحریر ”پٹیالہ اور اس کا تاریخی قرب و جوار“ میں قصبہ سنام کے بارے لکھتے ہیں کہ سنام کے مرکز میں ایک ویران اور خستہ عمارت کے نشانات پائے جاتے ہیں جسے گنج شہیداں کہتے ہیں۔ ایک اور مقام ہے جس کا پس منظر تاریخی روایات سے بھرپور ہے۔ وہ جگہ پیر بتا بنوئی کے نام سے منسوب ہے۔ موجودہ قصبہ سنام پرانے قلعہ کی چار دیواری کے اندر ہے جو باشندوں کی جائے پناہ ہے۔ یہ قلعہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک قلعہ، دوسرا حصہ نشیبی زمین اور اسکا گرد و نواح،

سنام نے پنجاب کی تاریخ میں مسلمانوں کے حملہ کے بعد نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ابروئی بیان کرتا ہے کہ سنام اُس وقت کا ایک معروف مقام ہے۔ مزید بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ محمد غوری نے اس کو فتح کیا، بعد ازاں سلطان التمش نے شیر خاں کو یہ علاقہ جاگیر میں عطا کیا۔ پھر غیاث الدین بلبن نے سامانہ کے ساتھ سنام کو اپنے بھتیجے شیر خاں کی وفات کے بعد قمر خاں کو عنایت کیا۔ ازاں بعد اپنے لڑکے بغرا خاں کو مرحمت ہوا۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف میں بابا آلاسنگھ نے اس علاقہ کو فتح کیا، اس وقت سے لے کر سن ۱۹۴۸ء تک ریاست پٹیالہ کا حصہ (بحیثیت تحصیل) رہا۔

(۴) سنام کی پیداوار اور عوام

علاقہ سنام میں دو فصلیں بونی اور کائی جاتی ہیں۔ فصل ربیع میں چنا، جو، سرسوں اور زرخیز

میں جوار، باجرہ، مونگ، موٹھ بکریاں پیدا ہوتی ہیں مگر بیج میں گہوں اور نمبا کو، خریف میں تل
سن اور گوارا بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ چنا، جو، سوس، جلا، باجرہ، موٹھ اور مونگ اس
علاقہ سے دس اور کو بھیجے جاتے ہیں۔ اس علاقہ کی زمین اکثر بارانی ہے۔ جب وقت پر بارش
ہو جاتی ہے تو غلہ بافراط پیدا ہوتا ہے اور بارش نہ ہونے سے قحط کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔
اس علاقہ کی زمین کو سنام والا نامہ سیراب کرتا ہے۔ طغیانی کی حالت میں نقصان کا بھی اندیشہ
ہو جاتا ہے لیکن جس جگہ پر اس کا پانی پھیل کر بہتا ہے۔ اس زمین کے لئے بہت سود مند اور
زرخیزی کا سبب بن جاتا ہے۔

اس علاقہ کی آب و ہوا نہایت اچھی اور صحت بخش ہے۔ دیہات اور قصبہ کی زمین
بھی زرخیز ہے۔ محل گڑھ عرف لوگوں کو سنام سے ۸ میل کے فاصلہ پر شمال مغرب کی جانب
واقع ہے۔ یہ بہت بڑا گاؤں شمار ہوتا ہے۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ بیس گھوڑے کے قریب ہے۔ اس کو
سری جہا راجہ آلاسنگھ بانی ریاست پٹیالہ نے آباد کیا تھا۔ یہاں غلہ کی فراوانی ہے۔
اس گاؤں کی آبادی ۱۱۰۰۰ نفرتھی اور بلجناط آبادی کے سنام کے دوسرے درجہ پر تھا۔
آج کل آبادی کی کثرت کے سبب یہ دیہات اور قصبہ چمرو، تھار، ترقی اور ترقی یافتہ علاقے
شمار ہوتے ہیں۔

سنام میں کبوج قوم آباد تھی جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کبوج کے نام سے پکاری جانے
لگی۔ یہ قوم سارے پنجاب میں آباد ہے۔ ان میں سے ۸۵ فی صد کاشتکار ہیں۔ ۲ فی صد تجارت
پیشہ ہیں۔ ۳۶ فی صد کاریگر اور صنایع ہیں۔ ۲ فی صد محنت و مزدوری سے اپنا گزارہ کرتے ہیں
اور باقی ۴۹ فی صد دیگر متفرق کام کاج کرنے والے ہیں جن میں ملازمت پیشہ بھی شامل ہیں۔
مسٹر ایسٹ سن صاحب سپرنٹنڈنٹ مردم شماری ۱۸۸۱ء میں کبوجوں کے دیاندارانہ
اوصاف کے بیان میں تحریر کرتے ہیں کہ ہندوستان میں خوف اور بد امنی کے زمانہ میں یہ
کبوج ہی تھے جن پر مال دار ساہوکار روپیے لانے میں بھروسہ کیا کرتے تھے اور یہ فقیری میں
ہل کر نقدی کو منزل مقصود پر پہنچایا کرتے تھے۔ سرکار برطانیہ نے جس وقت سکھ طاقت کو
مغلوب کر کے لاہور پر قبضہ کیا تو دنیا کا مشہور ترین ہیرا کوہ نور بھی خزانہ لاہور سے ایسٹ

انڈیا کمپنی کو دیگر اموالِ غنیمت کے دستیاب ہوا۔ گورنمنٹ انگریزی نے اس نایاب ہیرے کو کلکتہ پہنچانے کے لئے شروع میں کچھ فوج ہمراہ بھیجی تجویز کی مگر پھر بھی اس انتظام کو کافی مضبوط تصور نہ کیا گیا اور ہیرے کو ساہوکاروں کی معرفت کلکتہ پہنچانا زیادہ مناسب خیال کیا اور ایک طرح پر یہ اس زمانہ کا طلاق بیمہ INSURANCE تھا۔ چنانچہ ساہوکاروں نے ضمانتیں لے کر ہیرا ان کے سپرد کیا گیا۔ ساہوکاروں نے اپنے قاعدہ کے مطابق اس کام کے انجام دینے میں کبھوں قوم کے چند نوجوانوں کو منتخب کیا۔ وہ سنام (علاقہ پٹیالہ) کے چار نیک چلن دیانتدار اور خاندانی کبھوں پھگو سنگھ، تھمن سنگھ، ہیرا سنگھ اور تھاس سنگھ تھے جن کو یہ نایاب ہیرا پہنچانے پر مقرر کیا گیا۔ چاروں کبھو فقیرانہ بھیس تبدیل کر کے ہیرے کو بحفاظت تمام کلکتہ پہنچا کر واپس آئے اور ہزار ہا شرفی کی قیمت کے اس ہیرے کو اپنے قبضہ میں آجانے کے بدظن اور بدنیت نہ ہوئے۔ ان چاروں کبھوں کی اولاد آج بھی قصبہ سنام میں موجود ہے۔ ان کی برادری کے اکثر افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کو من حیث القوم اور بلا لحاظ مذہب و ملت یہ فخر حاصل ہے جنہوں نے اپنی قوم کی دستار اعزاز میں افتخار کا طرہ پوست کیا اور دیانتداری کا ثبوت دیا۔ ۳

دیانتدار ہونے کے علاوہ سنام کی عوام محنت کش، کاشتکار اور کامیاب صنعت کار خاصی تعداد میں رہائش پذیر ہیں۔ کبھوں کے ہم پلہ اور مساوی ارائیں (الراعی) قوم بھی یہاں خاصی آباد ہے۔ جن کا پیشہ کاشتکاری ہے۔ یہ قوم دیانتدار اور مسکین طبع ہے مگر فساد ہی نہیں ہیں۔

(۵) سنام کی اہمیت اور چند مشاہیر

سر ہند ایک معروف مقام ہے مگر یہ مقام غزنویوں کی عملداری میں شامل نہیں تھا۔ کیونکہ غزنوی دور کا عظیم مورخ ابیرونی اپنی تصنیف "کتاب الہند" میں اس مقام کا ذکر نہیں کرتا۔ جس کا سبب معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام اس وقت ہندوؤں اور غزنویوں کے ممالک کے درمیان سرحد کا کام دیتا تھا اور اس مقام سے آگے ہندوستان کی سر زمین شروع

ہو جاتی تھی۔ اسی نسبت سے اسکا نام ”سرہند“ یعنی ہند کی سرحد کنارہ یا سر مشہور تھا۔ یہ مقام دہلی اور لاہور کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ بخارا اور کابل، لاہور اور دہلی سے آنے جانے والے قافلے یہاں قیام کرتے تھے۔ سرہند میں داخل ہونے سے قبل ان لوگوں کو سامانہ اور سنام سے بھی گزرنا پڑتا تھا جو اس وقت آباد اور پُر رونق علاقے تھے۔ ان مقامات کے مکین اپنی ضروریات کے مطابق خرید و فروخت کرتے تھے۔ لین دین کا طریقہ مال بعوض مال تھا۔ تجارتی اور کاروباری لحاظ سے ان علاقوں کو خاصی اہمیت تھی۔

تاریخ ناصری کا مصنف بیان کرتا ہے کہ یہ مقامات سلسلہ کوہ کے نزدیک ہونے کے سبب چینی مال (CHINA GOODS) ان علاقوں کے بازاروں میں فروخت ہوتا تھا۔ یہ سامان کوہ شوالک کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے راستے چینی تاجر درآمد کرتے تھے۔ سرہند، سامانہ، سنام اور نواحی بستیوں کے باشندے اپنی ضروریات کے مطابق لین دین کرتے تھے۔

بین الاقوامی تجارتی تعلقات کے سبب ان قدیم مقامات کی اہمیت بڑھ گئی اور دولت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ پھر نواحی بستیاں بھی متاثر ہوئیں۔ اس کے علاوہ سمانا (سامانہ) اور سنام میں اولیائے کرام کے مزارات موجود ہونے کے سبب ان کا براس شریف اور سرہند شریف میں قدیم روحانی رشتہ بھی قائم ہو چکا تھا۔

غیاث الدین بلبن، علاء الدین مسعود کے زلمنے میں میر حاجب تھا اور اس نے اپنی صلاحیتوں کا بڑا مظاہرہ کیا ہوا تھا۔ جن کی وجہ سے سلطان ناصر الدین کے عہد میں اسے نائب السلطنت بنا دیا گیا اور امور سلطنت کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء میں سلطان ناصر الدین محمود کا انتقال ہوا۔ تو بلبن آسانی سے تخت پر قابض ہو گیا اور اس نے نہایت عزم و استقلال سے سلطنت دہلی کے کھو ہوئے وقار کو از سر نو بحال کیا۔ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں مسلم انڈیا ذیل صوبوں میں منقسم تھا۔ (۱) کٹرہ مانک پور (۲) اودھ (۳) بدایوں (۴) سرہند (۵) سنام (۶) گھڑام (۷) لاہور (۸) شوالک (۹) ناگور۔

سلطان ناصر الدین محمود (۱۲۴۶ء - ۱۲۶۶ء) کے زمانہ میں سنام کو ایک صوبہ کی حیثیت حاصل تھی۔ وسطی صوبہ ہونے کے سبب یہ علاقہ پُر رونق اور یہاں کے لوگ خوش حال تھے۔

غیاث الدین بلبن نے دورانِ حکومت سنام اور سمانا (سامانا) اپنے بیٹے بغراخان کو جاگیر میں عطا کیا۔ جو اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک انعام تھا۔ رعایا خوش حال تھی، تجارت کو فروغ تھا۔ صنعت کاروں نے ترقی کی ہوئی تھی۔ اس امن و امان کے زمانہ میں سنام میں ایک درگاہ قائم ہوئی جس میں فارسی اور عربی زبان کے مشہور و معروف عالم اور فاضل استاد دیگر اسلامی ملکوں سے بلوائے گئے۔ جو درس و تدریس کے لئے مقرر کئے گئے جن کی سعی جمیدہ سے علمی و روحانی اور اسلامی تحریکات جن کا آغاز و ریزہ نومی میں ہو چکا تھا نے ترقی پائی اور معاشرتی زندگی میں خالص اسلامی رنگ پیدا ہوا۔ طالبانِ علم و آداب اس درگاہ میں داخل ہوئے۔ دینی و دنیاوی علوم سے فیض یاب ہوئے۔

بیان کرتے ہیں کہ اس درس گاہ سے بڑے بڑے مہتر علماء اور شعراء فارغ التحصیل ہوئے جو آسمانِ شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور عوام الناس کے دامن کو دولتِ علم سے بھر دیئے۔ بوجہ خوف طوالت صرف سنام کے چند مشہور و معروف بزرگانِ دین اور اہل علم و آداب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آپ ۶۰۱ھ / ۱۲۰۳ء میں سنام میں پیدا ہوئے۔
مولانا عمید سنامی

شخصی حالات بہت کم یاب ہیں۔ آپ فارسی ادب کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ فنِ شاعری کے ساتھ ساتھ علم نجوم میں بھی ماہر تھے۔ شعر گوئی، انشاء پر دازی، صنائع بدائع، حسن بیان، فصاحت و بلاغت، مزاح و لطافت میں بے نظیر تھے۔ آپ کا مجموعہ غزلیات ذیل کتابوں میں محفوظ ہے۔ منتخب التواریخ، عرفات العاشقین اور گل رعنا وغیرہ،

آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے
 ہم عصر تھے اور سنام جے مردم خیز خطہ
 میں پیدا ہوئے۔ صاحبِ فضل و کمال
مولانا ضیاء الدین سنامی
 پیدائش - ۶۴۱ھ وفات ۷۰۹ھ

تھے۔ درس و تدریس، ہدایت خلق اور تبلیغ دین اسلام میں جس قدر خدمات انجام دیں یہ سعادت بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوئی۔ آپ پابند صوم و صلوة اور عامی شریعت

تھے۔ آپ کی ذات اخلاق حمیدہ کی جامع تھی۔ شہر دہلی کے محاسب بھی رہے۔ سماع
پہا عمر ارض کیا کرتے تھے۔ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ
ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ مولانا کو اطلاع ہوئی تو اپنا دستار چہ راستہ میں بچھوایا۔
شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے دستار چہ کو اٹھایا اور آنکھوں سے لگا لیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخبار میں بیان کرتے ہیں: ”پھر جب خواجہ نظام الدینؒ
مولانا کے سامنے بیٹھ گئے تو مولانا نے آنکھیں چار نہ کیں۔ خواجہ صاحبؒ کے باہر تشریف
لانے کے بعد اندر سے رونے کی آواز آئی کہ خواجہ سنا حئی انتقال فرما گئے۔ شیخ نہایت افسردہ
ہو کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ شریعت کا حامی ایک ہی مرد مجاہد تھا افسوس کہ آج وہ
بھی نہ رہا۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔“

آپ کی معروف تصنیف ”نصاب الاعتساب“ ہے جو اعتساب کے دقائق اور
قواعد کے ساتھ مختلف قسم کی بدعات کے خلاف احکام شرعیہ کے پیش نظر آپ نے تحریر
فرمائی۔ ۷

چنگیزی یلغاروں کی وجہ سے بے شمار مسلمان اپنا وطن چھوڑ کر برصغیر پاک و ہند
میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہجرت کرنے والوں میں بڑی اہم اور ذی شان ذی اقتدار شخصیتیں
بھی تھیں۔ ان میں بزرگ اور اللہ والے لوگ بھی تھے جو چنگیزی خاں اور اس کے منگول جانشینوں
کے ظلم و ستم، جبر و استبداد سے نہ بچ سکے۔ جب روزگارے حوادث سے کابل کی سلطنت
کو زوال پہنچا تو حضرت مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۴ء) کے جد اعلیٰ شہاب الدین
فرح شاہ فاروقیؒ بھی کابل سے آکر سنام میں آباد ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج
شکرؒ ۶۶۴۲ھ / ۱۲۶۵ء کے دادا کا نام قاضی شعیبؒ تھا۔ قاضی شعیبؒ کے تین لڑکے
تھے۔ پہلے بیٹے کا نام قاضی جمال الدین سلیمانؒ تھا۔ دوسرے لڑکے کا نام شیخ عبداللہؒ تھا۔
جن کی اولاد حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے۔ تیسرے صاحبزادے شیخ شعبانؒ تھے۔ جن کی
اولاد جن پور میں آباد ہے۔ قاضی شعیبؒ کے بیٹے شیخ عبداللہؒ کا نسب نامہ یوں بیان
کیا جاتا ہے: ”شیخ عبداللہ بن قاضی شعیب بن حضرت شیخ محمد بن حضرت محمد یوسفؒ“

بن حضرت شہاب الدین احمد فرخ شاہ بن نصیر الدین محمود۔ ۹

شہاب الدین احمد فرخ شاہ آپ کا اسم گرامی سلطان شہاب الدین احمد تھا اور لقب

فرخ شاہ تھا۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد

تخت نشین ہوئے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے غزنیہ و کابل سے آکر

ہندوستان پر حملہ کیا اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔ سنام میں سکونت اختیار کی۔

دین اسلام کو رواج دیا۔ اسی وجہ سے آپ کے خاندان کے لوگ "کابلی" کہلاتے ہیں۔

کابل کی بادشاہی چھوڑ کر فقیری اور درویشی اختیار کی۔ شہاب الدین احمد فرخ شاہ کے متعلق

تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ وہ کابل کے بادشاہ تھے۔ زبدۃ المقامات میں درج ہے کہ فرخ

ایک مقتدر آدمی تھے اور سلطان کابل کے وزیر تھے۔ مگر علم تاریخ کے طالب علم اعتراض

کرتے ہیں کہ مذکورہ بیانات کو تاریخ کے اوراق ثابت نہیں کرتے کہ فرخ شاہ کی حکومت

کابل میں کس زمانہ میں تھی اور کب اس کا خاتمہ ہوا۔ بہر حال تحقیق و جستجس کی راہیں کھلی

ہیں اور یہ امر بھی قابل تحقیق ہے۔

سنام کے علاوہ سمانہ (سامانہ) کو بھی اہمیت تھی۔ قطب الدین ایبک نے ۱۲۰۳ء

۱۲۰۶ء میں دہلی کا تخت سنبھالا۔ اس وقت سے لے کر سلطان فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی

تک سمانہ (سامانہ) ایک معروف مقام تھا۔ جلال الدین خلجی بادشاہ بننے سے پہلے

یہی کا ناظم تھا اور قرب و جوار کے لوگ مال گزاری کی سرکاری رقوم جس میں علاقہ سنام

بھی شامل تھا۔ سمانہ (سامانہ) میں داخل خزانہ کرواتے تھے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق مشفق، مہربان، حق شناس، وفادار اور دین اسلام میں پاکیزہ

عقیدہ رکھتا تھا۔ اکابر دین اور ان کے خاندان کی عزت و حرمت کرتا تھا۔ رعایا کی خوشحالی،

فارغ البالی اور آسودگی کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا تھا۔ اس کا اصول یہ تھا کہ کثرت حاصل

ترقی دولت کا سبب نہیں۔ بلکہ رعایا پروری، باشندگان ملک کی خوشنودی و خوش حالی

ترقی دولت کی بنیاد ہے۔ زمانہ کے پے درپے انقلابات اور پہاڑوں پر بعض چٹانوں کے

گر جانے سے ایک قدیم ندی جو سنام کے ایک جانب بہتی تھی اور اس زمین کو سیراب

کرتی تھی۔ خشک ہو گئی۔ کسی سال بارش ہوتی۔ کسی سال موسم خشک رہتا جس کے سبب فصلیں برباد ہو جاتی تھیں اور فحط کے آثار نمودار ہو جاتے تھے جو رعایا کی پریشانی کا سبب بنتے۔ بادشاہ نے چٹانوں اور ٹریلوں کی روکاؤ لوں کو دور کر کے ایک نہر کھدوائی، بعض مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ اس نہر کو قدیم ندی جو کہ خشک ہو چکی تھی مگر اس کے آثار نمایاں تھے، کی گذرگاہوں سے ملا دیا تاکہ اس کا پانی سرہند، منصور پور اور سنام کو رواں دواں ہو اور ان علاقوں کی فصلیں سیراب ہو سکیں۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں یوں مرقوم ہے۔ ”شہر اور قلعہ کی تعمیر کرانے کے علاوہ دریائے ستلج سے ایک نہر نکلوائی جو سرہند سے گزرتی ہوئی سنام تک جا پہنچی تھی یہ نہر غالباً سرہند چو (پہاڑی نالہ) کے ساتھ ساتھ جاتی تھی۔“

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں چند قدیم تاریخی کتابوں کے حوالے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے۔ کہ ۶۲۳ھ / ۱۳۶۱ء میں بادشاہ سلامت کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ دارالسلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ پدور کے پاس ایک پہاڑ ہے جس سے پانی نکل کر دریائے ستلج میں گرتا ہے، دریائے سرسوئی کے کنارے ایک ندی بہتی ہے۔ لوگ اس کو سلیم ندی کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایک بڑا ٹیلہ دریائے سرسوئی اور سلیم ندی کے درمیان حائل ہے اگر ٹیلہ کھود ڈالا جائے تو اس ندی کا پانی سرسوئی میں گر جائے گا۔ اور اس ندی کا سیلاب سرہند، منصور پور کو سیراب کرتا ہوا سامانہ (سامانہ) تک پہنچ جائے گا۔ بادشاہ یہ بات معلوم کر کے پدور کی طرف چل پڑا۔ حکم دیا کہ پچاس ہزار ہیل دار جمع کئے جائیں جو اس درمیانی ٹیلہ کو کھود کر ندی اور دریا کو باہم ملا دیں۔ فوراً اس حکم کے مطابق کام شروع ہو گیا۔ اس زمین کی تہ سے آدمیوں اور ہاتھیوں کی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ آدمی کے ہاتھ کی ہڈیاں تین گولبی تھیں اور ان میں سے بعض تو پتھر ہو گئی تھیں۔ اور بعض ہڈیاں اپنی اصلی صورت میں تھیں۔ بادشاہ نے سامانہ (سامانہ) کے حدود سے سرہند کو جدا کر لیا اور سرہند کے رقبہ میں دس کو س زمین اور ملادھی اور ملک شمس الدین اور ضیاء الدین ابورجا کے ہاتھ میں دہاں کی عنان حکومت سپرد کی۔

مذکورہ بیان کہ آدمی کے ہاتھ کی ہڈیاں تین گز لمبی تھیں غیر صحیح ہے۔ صاحب منتخب التواریخ ۱۵۷ لکھتے ہیں۔ جب اس پشتہ کو کھودا گیا تو اس میں ہاتھیوں اور آدمیوں کی بہت ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ آدمیوں کے ڈھانچوں میں ہاتھیوں کی ہڈیاں تین تین گز لمبی تھیں۔ کچھ گلی ہوئی تھیں اور کچھ اسی طرح باقی تھیں۔

ہم بلا شک و شبہ بیان کر سکتے ہیں کہ کسی انسان کے ہاتھ کی ہڈیاں تین گز لمبی نہیں ہو سکتیں۔ یہ محض صاحب تاریخ فرشتہ کا قیاس ہے۔ صاحب سیر الملتاخرین نے بھی اس واقعہ کو بغیر تحقیق کے اسی طرح دوہراتے ہیں جس طرح محمد قاسم نے تاریخ فرشتہ میں بیان کیا ہے۔

حضرت امام رفیع الدین قدس سرہ آپ شیخ نصیر الدین قدس سرہ کے فرزند تھے۔ باطنی استفادہ

اپنے والد بزرگوار اور دیگر مشائخ پشت سے کیا۔ حضرت امام رفیع الدین سنام میں پیدا ہوئے۔ سنام میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ہی سے تحصیل علم ہوئے جو اس وقت علمی دینی اور روحانی مرکز تھا۔ پھر سنام کی درس گاہ جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں قائم ہوئی تھی۔ میں بھی درس دیا کرتے تھے۔ عمر کے آخری سالوں میں سرہند تشریف لے گئے۔ وہاں ہی وفات پائی۔ مزار مبارک سرہند شہر کے باہر تھا۔ لیکن اب کثرت آبادی کے باعث شہر کے اندر آ گیا ہے۔

آپ اپنے والد شیخ نصیر الدین کے خلیفہ اعظم تھے۔ والد بزرگوار کے علاوہ آپ نے تقریباً چار سو مشائخ کبار سے استفادہ کر کے خلافت حاصل کی۔ اور آخر میں حضرت مخدوم بہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری قدس سرہ کے خلیفہ ہوئے حضرت مخدوم نے آپ کے کمال زہد و تقویٰ کی وجہ سے آپ کو اپنا "امام نماز" مقرر کیا اور شرف دامادی بھی بخشا۔ سرہند کی بنا و تعمیر کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔

سرہند کے گرد و نواح اور نزدیک تر کوئی شہر نہ تھا۔ صرف ایک سامانہ (سامانہ) تھا جو سرہند سے چوبیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ لوگ سرکاری روپیہ داخل کرانے کے لئے سامانہ جایا

کرتے تھے جو باعث تکلیف و پریشانی تھا۔ جو لوگ سامانہ میں خزانہ پہنچانے جایا کرتے تھے۔ سب کے سب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے مرشد تھے آئے اور عرض پر داند ہوئے کہ آپ سلطان سے درخواست کریں کہ یہاں ایک شہر آباد کریں۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے ان لوگوں کی التماس کو قبول کیا۔ آپ دہلی آئے۔ پہلی ہی ملاقات میں اس مطلب کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے منظور کر کے اسی وقت حکم دیا کہ فلاں مقام پر شہر آباد کیا جائے۔

امام رفیع الدین کا بڑا بھائی خواجہ فتح اللہ جو بادشاہ فیروز شاہ تغلق کا وزیر تھا اس کام کو مکمل کرنے کے لئے مقرر ہوئے۔ خواجہ صاحب دو ہزار آدمیوں کو لے کر وہاں آ کر عمارت کے کام میں مشغول ہو گئے۔ پہلے قلعہ کی بنا اس ٹیلہ پر رکھی جس میں جنگل تھا۔ قریباً ایک ماخذ اوبھی دیوار بنائی۔ جب دوسرا دن ہوا تو دیوار گر پڑی۔ ہر روز یہی عمل پیش آیا۔ اس واقعہ کی اطلاع بادشاہ کو دی گئی۔ بادشاہ نے اس کا علاج حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے سپرد کیا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اپنے خلیفہ اعظم اور امام نماز شیخ رفیع الدین کو جو نام کے باشندے تھے اور اکثر نام میں رہا کرتے تھے حکم دیا کہ وہاں جا کر حقیقت چال دریافت کر کے قلعہ بنوائے۔ جب حضرت امام نماز اس مقام پر آئے تو معلوم ہوا کہ حکومت کے اہلکاروں نے کسی دوست خدا کو زبردستی مزدوروں میں شامل کر لیا ہے۔ اس واسطے وہ رات کو اپنی توجہ سے دیوار گرا دیتا ہے۔ پھر حضرت امام نماز نے توجہ کی کہ وہ کون مراد خدا دوست ہے تو معلوم ہوا کہ شاہ شرف بوعلی قلندر ہیں۔ حضرت امام نماز نے اس معاملہ میں اپنے بھائی کے قصور کی معافی چاہی۔ شیخ بوعلی قلندر نے فرمایا کہ اے رفیع الدین آپ کے لحاظ و خوشنودی کے لئے یہ شہر آباد رہے گا۔ ورنہ قیامت تک میں اس کو آباد نہ ہونے دیتا۔

آپ نے قلعہ سرہند کی بنیاد ۶۰، ۷۰ھ / ۱۳۵۸ء میں رکھی۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر کی ولادت ۶۵۲ھ اور وفات ۷۲۲ھ بتائی جاتی ہے۔ آپ حضرت مولانا ضیاء الدین

سُناچی کے ہم عصر بھی تھے۔ ۱۳۰۰ء اگر حضرت بوعلی شاہ قلندر کی وفات ۷۲۴ھ اور قلعہ سرہند کی بنیاد و تعمیر ۷۶۰ھ تسلیم کر لی جائے تو مذکورہ سنہ میں بیان کردہ واقعہ کی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ (واللہ اعلم)

حضرت امام نماز صاحب کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے بہت سے گاؤں بطور نیاز دیئے۔ ۲۴۰ھ اور سرہند کا انتظام آپ کے سپرد کیا۔ حضرت امام نماز کی اولاد ”کابلی“ کے نام سے اب تک معروف ہے۔

ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں اپنے عہد کے چند علماء کا ذکر کرتا ہے۔ جن میں مولانا رکن الدین سُناچی کا نام بھی شامل ہے۔

مولانا رکن الدین آپ سُنام میں پیدا ہوئے۔ سُنام میں تعلیم و تربیت پائی اور اس خطہ میں رشد و ہدایت کی

شمع کو فروزاں کیا۔ وہاں ہی وفات پائی۔ آپ کی زندگی کے حالات بہت کم یاب ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ شہرت کو پسند نہ کرتے ہوں اور تبلیغی فرائض کو ثواب دارین سمجھ کر انجام دیتے ہوں اور گناہی کے گوشہ میں زندگی بسر کی ہو۔ آپ مولانا برہان الدین بھکرئی کے معاصر تھے۔ علم و فضل میں بے مثل تھے۔

سُنام میں علماء فضلاء اور صلحاء کے علاوہ اہل دلی، اہل ورد اور اہل قلم بھی تھے۔ جنہوں نے اسلام کی بھرپور اشاعت کی، جہاد بالنفس کے ساتھ ساتھ جہاد بالسیف سے بھی دریغ نہ کیا۔ بعض راہِ خدا میں شہید ہوئے اور بعض فضلِ خداوندی سے کامیاب ہوئے۔ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سُناچی کا تعلق پہلی قسم کے صوفیاء سے ہے جنہوں نے جہاد بالنفس سے دریغ نہ کیا۔

شیخ وجیہ الدین عثمان آپ سُنام میں پیدا ہوئے۔ وہاں ہی تعلیم و تربیت پائی۔ آپ کے والد کا نام قاضی

حمید الدین منہاج تھا۔ سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا اور سیاح کے نام سے مشہور ہوئے۔ روزگار کی تلاش میں سُنام سے دہلی آئے ۲۵۰ھ حضرت شیخ رکن الدین کے

مرید ہوئے مگر ختمِ خلافتِ سفر سے واپسی کے بعد ملتان میں پایا تھا۔ دو سال تک شیخ رکن الدین کے ساتھ رہے۔ انہوں نے اس زمانہ میں قرآن حفظ کیا اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب ”عوارف“ شیخ رکن الدین سے پڑھی اور وہاں سے اجازت لے کر مکہ معظمہ چلے گئے۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے منقول ہے کہ میں نے شیخ عثمانؒ کو دیکھا تھا جس روز وہ مرید ہوئے اس دن ترک دنیا کر دیا تھا۔ ایک لنگی کے سوا کہ جس سے اپنے ستر کو پوشیدہ رکھ سکیں کوئی کپڑا ان کے جسم پر نہ تھا۔ یہاں تک کہ سر سے پکڑی بھی اتار دی تھی۔ اور اس طرح سلطان رکن الدین کی خدمت میں رہتے۔ ایک دن حضرت شیخ سے اجازت لی اور اسی تہ بند کو باندھے ہوئے چل پڑے۔ نہ ان کے پاس ٹوٹا تھا اور نہ عصا، اس طرح تنہا سیاحت کی، مکہ معظمہ پہنچے۔ حج کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ آئے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ساتویں سال کے بعد اس طرح تنہا ننگے سر ملتان پہنچے اور اپنا گردا لود چہرہ اسی لباس میں کہ جو پہنے ہوئے تھے اپنے پر شیخ رکن الدین کے قدموں سے ملا۔ حضرت شیخ ان سے بغلگیر ہوئے۔ ان کے سر اور آنکھوں کو چوما اور اپنا لباس مبارک پہنایا اور اپنے سر سے پکڑی اتار کر ان کے سر پر رکھ دی۔

چند روز کے بعد دہلی جانے کی اجازت ہوئی اور کہا کہ جاؤ حضرت نظام الدینؒ وہاں ہیں۔ تم بھی دہلی میں رہو۔ زیادہ تر حضرت کی خدمت میں رہنا۔ آپ دہلی تشریف لے آئے۔ حضرت اس قدر اظہارِ محبت فرماتے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آپ ذکرِ الہی میں ایسے فنا تھے کہ ان کا بال بال ذکرِ الہی میں مشغول رہتا تھا۔ دہلی سے واپس ملتان آئے پھر اپنے وطن منام نہیں گئے۔

مؤلف ”مزارات اولیائے دہلی“ نے لکھا ہے کہ شیخ عثمان سیاح کا انتقال ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۸ء میں ہوا۔ اخبار الاخبار میں آپ کا سن وفات ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء درج ہے۔ آپ کا مزار پرانی دہلی میں بغبت پل جسے سلطان محمد عادل نے بنوایا تھا کے قریب واقع ہے۔

مفتی غلام سرور خزینہ الاصفیاء میں بیان کرتے ہیں ”وفات اسی جامع الکملات در سال ہفت صدوسی و ہشت ۳۸ھ ہجری است“ آپ کے پیر و مرشد شیخ رکن الدین ملتانی کا وصال ۳۵ھ / ۱۳۳۵ء میں ہوا۔

اہالیان سنام بزرگان دین کے بہت عقیدت مند تھے جن کی دعا و برکت سے ایک مفلس

اور نادار شخص شمس نامی رتبہ وزارت کو پہنچا۔ حضرت سلطان المشائخ الملت والدین سے منقول ہے کہ ایک شخص شمس الدین دبیر نامی تھا، سنام کا باشندہ تھا۔ وہاں سے قصبہ اجودھن میں آیا۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت کی خدمت میں زمین بوسی سے مشرف ہوا اور حضرت کی خدمت میں رہنے لگا۔ علم سلوک کی ایک کتاب ”لوائح“ ہے جو برگزیدہ سنی شیخ حمید الدین ناگوری نے تصنیف فرمائی اس شخص نے وہ کتاب ”لوائح“ حضرت کی خدمت میں پڑھتی شروع کی۔ یہ شخص دبیر شاعر تھا۔ اس نے ایک طولانی قصیدہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت والدین کی شان میں لکھا۔ اس نے اجازت چاہی کہ وہ حضور میں پڑھے۔ حضرت نے اس کو پڑھنے کی اجازت دے دی شمس دبیر کھڑا ہوا اور قصیدہ پڑھا۔ قصیدہ ختم ہونے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ بیٹھو اور دوبارہ پڑھو۔ حضرت المشائخ اس کی تسکین قلب کی خاطر ہر شعر پر اس کی تعریف فرماتے۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تمنا ہے شمس نے عرض کی کہ ناداری اور عزبت ہے۔ میری والدہ بھی ہیں اور لڑکا بھی ہے۔ ان کی پرورش میرے ذمہ ہے۔ حضرت شیخ نے دعائے خیر فرمائی چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں مال و دولت حاصل ہوئی اور بادشاہ کا وزیر مقرر ہوا۔

حضرت شیخ احمد عبدالحق رومی کی سنام میں سکونت

حضرت شیخ محمد جلال الدین محمود پانی پتی الگازرونی، حضرت شمس الاولیاء شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلند در قدس سرہ سے بھی اخذ فیض

ہوئے۔ ان کے علاوہ بہت سے مشائخِ عظام کی صحبت پائی۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ
۱۳۶۳ء سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ سلطنت میں وفات پائی۔ مزار پُر انوار پانی پت
میں واقع ہے۔

آپ سلسلہ "چشتیہ صابریہ" سے منسلک تھے۔ اس سلسلہ کو فروغ دیا۔ آپ
ہی کی ذاتِ اقدس کے سبب اس سلسلہ کا تیسرا مرکز پانی پت بنا۔ جس کی روشنی
نے علاقہ سنام کو اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں کو منور کیا۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں
کا دائرہ بڑا وسیع ہے آپ کے مریدوں اور خلفاء کی مقدار چالیس تھی اور عقیدتمندوں
کی تعداد حد شمار سے باہر تھی۔ ان خلفاء میں سے حضرت شیخ احمد عبدالحق رودلی
خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو مذکورہ سلسلہ، طریقت اور ان کی خانقاہوں کو شروع
دینے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

حضرت شیخ احمد عبدالحق رودلی سے پیدل دہلی آئے۔ اپنے بھائی تقی الدین کے
پاس قیام کیا۔ پھر دہلی سے نکل کر مختلف شہروں اور قصبوں کے بزرگوں سے ملاقاتیں کیں
آخر رشتہ و ہدایت کی شمع کو روشن کرتے ہوئے قصبہ سنام میں سکونت پذیر ہو گئے۔
اور سلسلہ "چشتی صابری پانی پتی" کو یہاں بھی فروغ دیا۔ آپ ہدایتِ خلق،
تبلیغِ دین اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں خود مختلف مقامات پر تشریف
لے جاتے اور لوگوں کو احکاماتِ الہی اور پیغاماتِ رسول مقبول سے آگاہ کرتے اور
ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنے پیر و مرشد حضرت قطب العالم
شیخ احمد عبدالحق رودلی صاحب توشیح کے حالات اور فیوض و برکات و کرامات کو کتابی
صورت میں بزبان فارسی پیش کیا۔ جس کا نام آپ نے "انوار العیون فی اسرار المکنون" رکھا
پھر سکین محمد نظام الدین عشق کیرانوی نے مولانا حافظ محمد عبدالاحد مالک مطبع مجتہائی دہلی
کی ویرا کش پر ماہ اپریل ۱۸۹۴ء میں اردو زبان میں منتقل کیا۔ جو مذکورہ پریس سے اسی
سال پہلی بار الدر المنکون فی ترجمہ انوار العیون کے نام سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۳۱

پر رقم طراز نہیں کہ قصبہ سنام میں شیخ نے ایک ضعیفہ کے مکان پر قیام کیا اور ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ وہ ضعیفہ بھی بڑی عابدہ تھی۔ ریاضت و مجاہدہ بہت کرتی تھی۔ وہاں ایک مجذوب صاحب خدمت تھے۔ آپ ان کی مجلس میں اکثر جایا کرتے تھے اور ان کے لئے کھانا بھی لے جاتے تھے وہ بھی ان کے ہاتھ سے کھانا کھا لیتا تھا اور کہتا تھا۔ یہ رحمت حق ہے۔ ایک روز ضعیفہ نے خواب دیکھا کہ حوض میں ٹھلیاں ماری جاتی ہیں صبح شیخ سے تعبیر چاہی۔ آپ نے کہا ”مجھے بھی رات یہی خواب آیا ہے“ مگر تمہارا خواب کی تعبیر یہ ہے کہ سنام برباد ہوگا اور میرے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ دہلی برباد ہو گئی۔ چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد امیر تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے مجذوب سے پوچھا کہ کیا رائے ہے اس نے کہا ”میں یہاں سے چلا جاتا ہوں“ ”تم بھی چلے جاؤ“ آخر آپ شہر اودھ میں تشریف لے آئے۔

شیخ نظام الدین اور شیخ عبد الصمد

کچھ مدت قبل حضرت جلال الدین

پانی پتی کے دو جلیل القدر خلفاء اور مرید صادق حضرت شیخ نظام الدین اور شیخ عبد الصمد علاقہ سنام میں رہائش پذیر تھے۔ یہ دونوں بزرگ سنام میں پیدا ہوئے اور سنام میں تعلیم و تربیت پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت جلال الدین پانی پتی کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت پایا۔ سنام میں درس و تدریس اور اشاعت اسلام کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی خانقاہ ذکر الہی سے آراستہ اور فکر حق سے معمور رہتی تھی۔ سنام میں وفات پائی اور وہاں ہی دفن ہوئے۔

روایت بیان کرتے ہیں کہ شیخ نظام الدین سنامی کے وصال کے بعد آپ کی قبر کے اندر روشنی نکلتی محسوس ہوتی تھی۔ اتفاقاً حضرت جلال الدین پانی پتی کسی تقریب کے سلسلے میں سنام تشریف لائے ہوئے تھے تو لوگوں نے آپ کے مرید و خلیفہ کی اس روشنی کا ذکر کیا۔ آپ رات کے وقت شیخ نظام الدین سنامی کی قبر

پر پہنچے۔ فاتح خوانی کے بعد فرمایا کہ بیشک آپ کے درجات بلند ہیں اور ایسے مشاہدات و کمالات عام لوگوں کی نظروں میں نہیں آنے چاہئیں تاکہ خلاف شریعت نہ ہو۔ اس کے بعد وہ روشنی کسی دکھائی نہ دی۔

شیخ نظام الدین سنامی اور شیخ عبدالصمد سنامی کے حالات بہت کم یاب ہیں۔ آپ کی تبلیغی اور صوفیانہ سرگرمیوں کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ آپ کے مزارات کی نشاندہی بھی سند کے ساتھ نہیں کی جاسکتی کیونکہ علاقہ سنام کا عظیم تودہ زمین جو اُجرٹے دیاروں اور مدفون کھنڈرات پر مشتمل ہے جس کی گود میں کئی اولیاءِ عظام اسراحت فرماہیں، کے اسماء گرامی اور قبور کے نشانات نامعلوم ہیں۔ صرف چند ٹوٹی پھوٹی قبریں نظر آتی ہیں جو گذشتہ دور کی اسلامی عظمت کی یاد دلاتی ہیں۔

مذکورہ بیانات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ علاقہ سنام اور اس کے گرد و نواح کی بتیاں جن میں سامانہ بھی شامل ہے۔ سلسلہ ”چشتیہ صابریہ“ کا اہم مرکز رہا اور حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کے اکثر خلفاء اور عقیدت مندوں کی جائے پائش بھی تھی۔ جنہوں نے اس سلسلہ کو اور آگے بڑھایا۔ خالق ہیں قائم کیں اور اپنے اندر کثرت سے زیادہ جذب و مستی، کیف و سرور، وجد و توجہ، اور سوز و گداز کی کیفیت پیدا کیں۔ کفرستان ہند کے اندھیروں کو اسلام کی روشنی سے منور کیا، مشرکانہ ذوق کی بجائے توحیدی ذوق کی تخلیق ہوئی اور یہ سلسلہ ”چشتی صابری پانی پتی“ کے مبارک نام سے متعارف زمانہ ہوا۔

حضرت مولانا نجم الدین سنامی | آپ سنام میں پیدا ہوئے اور اس مقام پر تعلیم و تربیت پائی۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں اپنے زمانہ کے فریگانہ ہوئے، علم تفسیر و حدیث، فقہ و کلام میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اعلیٰ پایہ کے خطیب تھے۔ علم دین کی خاطر ہر قربانی اور ایثار کے لئے تیار رہتے۔ طلباء کی ایک بڑی تعداد آپ کے زیر تعلیم و مطالعہ رہتی اور ہزاروں طلباء

علم دین سے مالا مال ہوئے۔ عموماً "تفسیر عمدہ" ہمیشہ آپ کے زیر مطالعہ رہتی۔
 حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ میں نے مولانا
 صدر الدین قونوی سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ میں مولانا نجم الدین سناچی کے پاس تھا۔
 انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کس کام میں مشغول رہتے ہو۔ میں نے کہا کہ تفسیر کے
 مطالعہ میں۔ کہا کونسی تفسیر؟ میں نے کہا کشاف، ایجاز اور عمدہ۔ مولانا نجم الدین نے
 کہا "کشاف و ایجاز" دونوں کو جلا دو۔ صرف "عمدہ" دیکھو۔ مولانا صدر الدین کہتے
 ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ایسا کیوں کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ حضرت شیخ بہاؤ الدین
 نے ایسا ہی کہا ہے۔ مولانا صدر الدین نے کہا کہ مجھے یہ بات ناگوار ہوئی۔ جب رات
 ہوئی تو میں ان تینوں کتابوں کو چراغ کی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ ایجاز و کشاف
 دونوں نیچے تھیں اور عمدہ ان دونوں کتابوں کے اوپر، اسی دوران میں سو گیا۔ ایک
 شعلہ پیدا ہوا۔ کشاف و ایجاز دونوں جل گئیں۔ عمدہ سلامت رہی۔

علاقہ سنام اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں کی زمین فروز شاہی نہر کے جاری
 ہونے کے سبب سرسبز و ثناب ہو گئیں۔ ویران اور وحشت ناک جنگل سرسبز کھیتوں
 کی طرح بہرتے ہوئے نظر آنے لگا۔ غلہ کی فراوانی ہو گئی۔ لوگ خوشحال ہو گئے۔ مگر
 امیر تیمور کے حملہ نے اہالیان سنام کی خوشحالی کو بد حالی میں تبدیل کر دیا۔ بقول مورخین
 "آمدند، سوختند، کشتند، بردند و رفتند" علاقہ سنام سے جلد ہی دیپال پور کا رخ کیا
 اور یہ علاقہ تیمور کی مزید تباہی سے بچ گیا۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد پہلوں لودھی
 نے لاہور، دیپالپور اور حصار پر قبضہ کرنے کے بعد سنام پر بھی قابض ہو گیا۔

عہد مغلیہ میں سنام پُر رونق تھا اور تجارتی مرکز بن چکا تھا۔ ایران، خراسان، غزنی
 اور سرحدی قافلوں کی گذرگاہ بھی تھی، اکبر بادشاہ کے زمانہ میں سنام صرہ ہند کا پوگند
 قرار دیا گیا۔ درس و تدریس کا اہم مرکز ہوا۔ علوم اسلامیہ نے ترقی پائی۔

ایین اکبری میں درج ہے کہ اکبر کے زمانہ میں صرہ ہند کی سرکار کے تحت ذیل

درج ۹ پر گئے تھے جن میں سنام بھی شامل تھا۔ (۱) سمانہ (سامانہ) (۲) سنام (۳)

طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنی سیر کی ابتدا عالم امر سے کی ہے اور قاب سے قلب کے پھرنے والے یعنی خدا کی طرف راستے گئے ہیں۔ انہوں نے دوسروں کی ریافتوں اور مجاہدوں کے بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے لیکن سنت کو لازم پکڑنا بہت مشکل کام ہے۔ شاہ جہاں کے عہد میں علم و ادب نے بہت ترقی کی اور بادشاہ نے بھی دل کھول کر اہل علم کو نوازہ۔ جا بجا مدارس قائم ہوئے اور تعلیم عام ہو گئی۔ مولانا آزاد بلگرامی نے اپنی تصنیف ”مائثر الکرام“ میں اس دور کی علمی حالت درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

”شرفاء نے اپنے اپنے علاقوں میں مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائی ہوئی تھیں۔ ان مدرسوں کے ہر جگہ طالب علموں کے لئے دروازے کھلے تھے اور ہر مدرسہ کے دروازے پر یہ قطعاً آویزاں تھے۔ علم کے طلب کرنے والو! ادھر آؤ! طالب علم جوق در جوق مدارس میں آتے اور جہاں چاہتے آزادانہ تعلیم حاصل کرتے، لوگ طالب علموں کی حوصلہ افزائی کرتے، خدمت کرتے، اور اس خدمت کو سعادت داریں کا ذریعہ خیال کرتے تھے“

ان کے علاوہ اہل دل جنہوں نے اصلاح فکر اور پاکیزگی نفس کے لئے جو کچھ کہا مدرسہ میں نہیں کہا اور نہ ہی کسی حمبر پر کھڑے ہو کر بیان کیا۔ بلکہ خانقاہوں اور مجرہوں میں بوریہ پر بیٹھ کر صرف چند لوگوں کے حلقوں میں کہا اور رشد و ہدایت سے ان کے دلوں کو عرفان کی روشنی بخشی۔ شاہ جہانی دور میں ان لوگوں میں حضرت میاں میر کا اسم گرامی سرفہرست ہے جن کی بدولت حلقہ دور اہل دل والوں کا وسیع ہوتا گیا۔ عرفان کی روشنی پھیلتی گئی۔ ہدایت کے چشمے روز بروز چھوٹتے رہے اور اسلام کے جلیں القدر فرزندوں نے پرورش پائی آپ کے عقیدت مندوں میں ایک مرید شیخ احمد بھی تھے جس کی روحانی ضیاؤں نے علاقہ منام کو اسلام کی روشنی سے منور کیا۔

شیخ احمد سنّامی آپ سنّام میں پیدا ہوئے اور وہاں ہی پرورش پائی۔ جب جوان ہوئے حضرت میاں میر کے مرید ہوئے اور خرّم خلافت پایا۔ آپ عالم باعمل، عارف کامل، شیخ باوقار، صاحب فقر و انکسار تھے۔ علوم باطنی کی تحصیل تھیں جیو (میاں میر) کی خدمت میں رہ کر ہوئی۔ متعدد ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ ترک و تجرید اور تفرید و توکل میں بلند مقام رکھتے تھے۔ اوائل حال میں جب آپ پہاڑوں میں جاتے تو تیس چالیس دن تک مشغول ہی رہتے۔ اس وقت ان کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آپ ہمیشہ پیدل چلتے تھے۔ کبھی کبھی شہر لاہور میں آجاتے تھے۔ شہر یا کسی اور مقام پر مستقل طور پر قیام نہیں کرتے تھے۔ آپ کا کوئی گھر یا ٹھکانا نہیں تھا۔ جہاں پہنچتے وہاں چند روز سکونت رکھتے۔ پھر کسی دوسری طرف کوچیل دیتے تھے۔ شاہ زادہ دارا شکوہ تحریر کرتے ہیں :-

”فقیر (دارا شکوہ) نے انہیں دوبار دیکھا ہے۔ بہت کم بولتے ہیں۔ اکثر خاموش رہتے ہیں۔ لوگوں کے میل جول کو پسند نہیں کرتے۔ شیخ احمد دہلوی آپ کے بہت عقیدت مند ہیں یہ دونوں اکثر اکٹھے رہتے ہیں۔“

سنّام کا تلبے لوث صوفی بروز جمعہ ۱۱ ماہ شعبان ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء کو اپنے حقیقی خالق سے جا ملے۔

حضرت شیخ محمد عابد سنّامی آپ حضرت شیخ عبدالاحد وحدت المعروف بہ ”شاہ گار“ قدس سرہ فرزند نجم حضرت خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید فرزند ثانی حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء نامدار سے ہیں۔ آپ راسخ العقیدہ حنفی، فقہ حنفی پر بڑا اعتماد و یقین رکھنے والے، مقلد صوفی، عارف و کامل بزرگ تھے۔ آپ سنّام میں پیدا ہوئے یہاں ہی تعلیم و تربیت پائی۔ شیخ محمد عابد سنّامی کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ نہایت کثیر الذکر اور کثیر العبادت صوفی تھے۔ نماز تہجد میں ساٹھ مرتبہ سورہ لیسین شریف پڑھا کرتے تھے۔ اور ہر دو گانہ کے بعد طویل مراقبہ فرماتے، غرضیکہ نصف

شب سے صبح تک یاد مولے میں گزارتے۔ آخری عمر میں مرض اسہال میں مبتلا ہوئے اور ۱۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ / ۱۶۴۶ء میں وفات پائی۔ چند سال سرہند شریف میں قیام کیا پھر آخری عمر میں دہلی چلے گئے۔ دہلی میں سبزی منڈی سے چند میل آگے کرنال والی سڑک پر مزار مبارک واقع ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید قدس سرہ پورے گیارہ سال آپ کی خدمت میں رہے۔ حضرت شیخ محمد عابد سنائی کی وفات کے بعد آپ نے مسند خلافت کو زینت بخشی، ابتداء میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی آپ سے اخذ فیض ہوئے۔ بعد ازاں ان کے ایما سے حضرت مظہر جانجاناں شہید کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیوض ہوئے۔ اہل سنام آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ آپ اپنے مریدوں پر بے حد شفقت و عنایت فرماتے تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو فروغ دیا اور سلوک مجددیہ سے اپنے مریدین و عقیدت مندوں کو آگاہ کیا۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں سے چالیس مکاتیب شریفیہ کا انتخاب کیا تھا جس پر عربی میں مولوی نعیم اللہ بڑاچی مرید و خلیفہ حضرت مرزا مظہر نے دیباچہ لکھا۔ چل مکتوبات کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ حافظ محمود شیرانی کتاب خانہ دانش پنجاب لاہور نمبر ۸۶۸ / ۳۹۰۱ میں موجود ہے۔

جناب بے نوا مغلیہ خاندان کے آخری دور میں ایک شاعر جس کا تخلص ”بے نوا“ تھا سنام میں پیدا ہوا، بچپن اور نوجوانی سنام میں گزری پھر بادشاہ محمد شاہ کے ابتدائی دور میں سنام سے دہلی چلا گیا۔ باقی ماندہ زندگی وہاں بسر کی۔ بحیثیت شاعر آپ کو عوام میں بہت مقبولیت حاصل تھی۔ آپ کا ذکر ذیل دنج کتابوں میں اکثر ملتا ہے۔ نکات الشعراء، مخزن نکات، طبقات الشعراء، تذکرہ سید حسن، چمنستان الشعراء اور گلزار ابراہیم اس دور کا ایک مشہور اردو شاعر مبارک آباد سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ آپ کی ایک تاریخی مجلس ”در خدمت طرہ بازخان“ عوام میں آپ کی زندگی میں بہت مقبول ہو چکی تھی۔

مذکورہ بالا بیانات و اقتباسات کی روشنی میں یہ بات بلا تردید کہی جاسکتی ہے۔

کہ نام ایک قدیم، اہم و پُر رونق مقام تھا۔ جو علماء فضلاء اور صلحا کی جائے پناہ تھا۔ قدیم، مذہبی، روحانی اور تمدنی تاریخ کی نشان دہی کرتا ہے۔ جمید علماء، حق پرست اولیاء، خدا رسیدہ بزرگ، انصاف پسند قاضی، بلند کردار مبلغ، دانش مند محققین، شیریں سخن خطیب، ہر و لعزیز شعراء کے علاوہ یہاں کی دیانت دار عوام، محنتی کاشتکار اور کامیاب صنعت کار بڑی تعداد میں ہوئے جو فخر البلاد بنے اور علم و ہنر کی مشعلیں روشن کیں۔ ان سے قوم کے مجھے ہوئے چراغ صدیوں تک روشنی حاصل کرتے رہے۔

سنام کے موجودہ مزارات کے بوسیدہ آثار اسلامی ثقافت اور گزشتہ تاریخ کا اب بھی عکس پیش کرتے ہیں۔ اپنی گزشتہ عظمت و شوکت اور پے در پے انقلابات کا بھی پتہ دیتے ہیں، مزار حضرت خواجہ سید محمود بنوئی المعروف بہ پیر بہا، بنوئی کے علاوہ حضرت قاضی معز الدین المعروف پیر قاضی معاضی، پیر نبی بخش، پیر سید حاکم، پیر سید برہنہ، پیر شاہ شرف دین، پیر شاہ بلاقی، پیر چنگی شاہ، مائی نور بی بی، چوہترہ بابا فرید گنج شکر اور گنج شہیداں قابل دید اور قابل ذکر مقامات ہیں۔ اولیائے سنام کے موضوع پر مزید تحقیقات اور تجسس کی گنجائش اب بھی موجود ہے۔

متذکرہ اولیاء کرام کی روشن زندگی کے چند دھندلے نشانات اُس انسان کے لئے خضرِ راہ ہیں جو اس معمولی سی بنیاد پر اپنے وسیع علم و فضل کی بدولت ایک عالیشان اور فلک بوس عمارت تیار کر سکتا ہو۔ یہ میری حوصلہ افزائی ہوگی۔

وما توفیقی الا باللہ



سنام میں آپ کی تبلیغی مساعی اور اشاعتِ اسلام

اسلام کا بے لوث اور مخلص مبلغ جن کو ہم عرفِ عام میں صوفی یا اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ اپنے مختصر سے قافلے کے ساتھ وسط ایشیا سے گزر کر برصغیر پاک و ہند کی شمالی مغربی سرحدوں کو عبور کرتا ہوا سرزمینِ سنام میں داخل ہوا۔ یہ قافلہ ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز تھا۔ رضاؑ الہی ان کا مقصد اور نصب العین تھا، اپنے گھر بار اور وطن کو خیر باد کہا اور خدا کے راستے میں اپنے جان و مال سے جہاں کیا پس اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی کامیاب و کامران ہونے والے ہیں۔ ان کا رب انہیں خوش خبری سناتا ہے کہ انکی قربانیوں کے عوض میری رحمت اور رضا ہے۔

جس دور میں حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ سنام میں تشریف لائے۔ اُس وقت شمالی ہند (پنجاب) کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ تھے۔ سلطنتِ غزنویہ کافی حد تک زوال کا شکار ہو رہی تھی۔ اخلاقی حالت انتہائی زبوں تھی۔ فکر و عمل، اخلاق و عادات، کردار و اطوار سب پر انحطاطی رنگ چھا رہا تھا۔ سلجوقی خاندان کے ظہور نے بھی غزنی کے امن و سکون کو درہم برہم کر رکھا تھا، اس کے علاوہ ہندو راجاؤں نے غزنوی سلطنت کو مکمل طور پر تباہ کرنے کی تحریک شروع کر رکھی تھی۔ مسلمان سیاسی و معاشی طور پر مفلوج تھے۔ ان کی نصابی مقدار شمالی ہند (پنجاب) کے مختلف حصوں میں آباد ہو چکی تھی۔ ان میں غازیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں سے محض جہاد کا ثواب حاصل کرنے کی خاطر غزنوی لشکر میں ان شامل ہوئے تھے۔ ان غازیوں کو مستقل لشکر کی طرح

تخواہ نہیں ملتی تھی البتہ کسی وقت اسلحہ مل جاتا تھا۔ یہ غازی صرف مالِ غنیمت پر گزربہر کرتے تھے۔

شمالی ہند (پنجاب) میں مختلف عقائد کے لوگ آباد تھے۔ سنام کے لوگ زیادہ ویدک دھرم کے پجاری تھے۔ کتاب الہند کے مترجم ایڈوڈ۔ سی۔ زخاؤ (لندن، ۱۸۸۷ء) اپنے پیش لفظ میں بیان کرتے ہیں کہ گیارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں وسطی ایشیا، خراسان، افغانستان اور شمال مغربی ہندوستان میں بدھ مت کے تمام آثار مٹ چکے تھے۔ ای سی زخاؤ کے اس خیال کی تصدیق حضرت سید علی ہجویریؒ کی شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے مطلق عزنوہی دور میں بدھ مت صرف تبت اور چین میں ہی رہ گیا تھا۔

آپ کا مشن صرف غیر مسلم کو مسلمان بنانا ہی مقصود نہیں تھا۔ بلکہ ان کی اصلاح بھی ضروری تھی۔ ان گمراہی کے اندھیروں میں آپ ہدایت کا نور تھے۔ صاحبِ ولایت اور قطبِ زمانہ ہونے کے علاوہ آپ عالم اور حافظِ قرآن بھی تھے۔ مجاہدات اور ریاضات میں بے مثل تھے۔ سنت رسول مقبولؐ کے سخت پابند تھے۔ رات کو جاگتے اور عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے۔ تلاوتِ قرآن پاک آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ توکل و قناعت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کو سکونِ قلب اور استغراق کے لئے گوشہ نشینی بے حد پسند تھی، علاقہ سنام سے باہر درختوں کے چھند میں ڈیرہ جمالیہ۔

سنام کے باسی بڑے بد اعتقاد اور تند مزاج تھے۔ ان غریب الوطن مسافروں کی آمد پر کسی قسم کی توجہ نہ دی بلکہ انتہائی بے رنجی سے کام لیا۔ غزنی حکمرانوں کی پالیسی کے نتیجے میں شمالی ہند (پنجاب) اور ہندوستان کے غیر مسلموں نے اسلام کی آواز سننے سے پہلے ہی اسلام کو مسترد کر دیا تھا اور مسلمانوں سے نفرت کرتے تھے۔ غزنی کے حکمرانوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں سے سارے ہندوستان کو روند ڈالا۔ مگر اسلام مقامی لوگوں کے دلوں میں راسخ نہ ہو سکا، آپ نے اور آپ کے پیشواؤں و مریدوں نے اس کفرستان میں تلوار کی بجائے سیرت و کردار کی زبان سے تبلیغ کی، لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ کچھ نئی نئی بستیاں معرضِ وجود میں آئیں اور کافی مقدار

میں لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ عرصہ قلیل میں اسلام سنام اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں میں پھیل گیا۔ آپ وعظ فرماتے۔ آپ کی زبان میں وہ تاثیر تھی کہ لوگ پروانوں کی طرح کچے چلے آتے تھے۔ اور وعظوں سے متاثر ہو کر کلمہ توحید پڑھتے اور اسلام پر ایمان لائے واپس نہ جاتے تھے۔ یہ کام آپ کی شیریں گفتار اور میٹھے بول نے انجام دیا۔

حضرت خواجہ سید محمود بنوئی صاحب ولایت تھے۔ آپ کی جملہ کرامتوں میں سب سے بڑی کرامت آپ کی سیرت، آپ کا کردار، آپ کی محبت و شفقت اور پابند شریعت شخصیت تھی۔ آپ علمی اور روحانی دونوں توتوں سے سرفراز تھے۔ حریت، اخوت اور مساوات کے اسلامی اصولوں کے عملاً علمبردار تھے۔ خدمتِ خلق اور تعمیرِ انسانیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر دعوت و ارشاد کا عظیم کارنامہ انجام دیا، لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور آپ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوتے چلے گئے۔ آپ نے حقیر، ظلم و ستم کے شرکار اور دھنکارے ہوئے انسانوں کو بڑے محنت بھرے انداز میں سینے سے لگایا اور توحید کا پیغام دیا۔ شب و روز کی جدوجہد سے آپ نے کفرستان کو نورِ اسلام سے منور کیا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی وسیع ہوتا گیا۔ شمالی ہند (پنجاب) خاص کر خطہ سنام میں سینکڑوں انسانوں نے آپ سے ہدایت پائی۔

عوام کی اصلاح کے لئے اپنے خلفاء کو جنہوں نے آپ کی خانقاہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔ شمالی ہند (پنجاب) کے مختلف حصوں میں پھیل جانے کے احکام صادر کئے۔ پھر ان مبلغین نے رشد و ہدایت کی شمع کو روشن کیا۔ امانت، دیانت، محنت و شفقت اور خوش باشی کے ماحول سے مقامی باشندوں کے دل جیت لئے اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشی اسلام ہوئے۔

ان ہی اکابر دین نے اسلام اور عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کے قلوب و اذہان کو مالا مال کیا۔ اسی سر زمین میں اسلام کے جلیل القدر فرزندوں نے پرورش پائی

اور اسلامی علوم و فنون کے چٹھے پھوٹے جنہوں نے خطہ پاک و ہند کو سیراب کیا۔ مگر تاریخ کے
 اور اس دور کے مبلغین کے اسمائے گرامی اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے
 خاموش ہیں اور اس ضمن میں تذکرہ نویسوں کے بیانات بھی مختلف اور متضاد ہیں۔

باب ۷

آپ کے بعض خوارق و کرامات

قریباً نو "کابے لوٹ، مخلص اور عظیم مبلغ جو موضوع تحقیق ہے اللہ کے حکم سے عہد
 غزوی میں تبلیغی مشن کو لے کر سرزمینِ حنا میں داخل ہوا۔ آپ کے شیریں گفتار
 و عظموں اور درس و تدریس نے لوگوں کو اتنا متاثر کیا کہ اہالیانِ حنا آپ کے گرد ویدہ
 ہو گئے اور تذکرہ نگاروں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آپ عوام کی راہنمائی
 اور ہدایت میں یکتائے زمانہ تھے۔

آپ کے خوارق و کرامات حد و حساب سے باہر ہیں۔ بوجہ خوف طوالت صرف آپ
 کی چند کراماتیں بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت خواجہ سید محمود بنوئی نے حنا کے جنگلوں میں قیام
 کیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے اسراحت فرمائی اور اسی مقام پر عبادتِ خداوندی
 میں مشغول رہتے۔ ایک صبح جب آپ نے عبادتِ الہی سے فراغت پائی اور حاضرین
 کی طرف متوجہ ہوئے تو چند بچے کھیلتے کودتے آپ کے پاس آئے۔ خاموش ہو کر کھڑے
 ہو گئے۔ آپ نے ان کو بیٹھ جانے کو فرمایا۔ بچے ادب سے بیٹھ گئے اور سارا دن بغیر کسی شرارت
 کے خاموش بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ پینچے آپ کی مہر و شفقت اور شیریں گفتار
 سے اس قدر متاثر ہوئے کہ گھر واپس جانے سے انکار کر دیا۔

آخر راجہ جیو جو کہ ایک جابر جاگیر دار حاکم تھا۔ اس کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ ان دنوں اس بستی میں ایک فقیر آیا ہوا ہے۔ بچے ان سے مانوس ہو گئے ہیں اور اس نے ان بچوں پر جادو اثر کیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کھیل کود کو بھی بھلا کر فقیر کی صحبت اختیار کر رکھی ہے۔ راجہ نے حکم دیا کہ اگر کوئی بچہ فوراً گھر واپس نہ آیا تو اس کا منہ کھوپڑی سے نکال دیا جائے گا۔ جب بچوں نے اس حاکم کا حکم سنا سب کے سب اس کے پاس آئے۔ حاکم نے غصہ میں کہا اگر تم سب لوگ باز نہ آئے تو میں سب کو اور اس فقیر کو سخت سزا دوں گا۔ اس حکم سے بچے بھڑک اُٹھے اور جان کی قربانی دینے کو تیار ہو گئے۔ خاصی نکرار کے بعد حاکم خاموش ہو گیا اور کہا اگر تمہارا فقیر سچا ہے تو میں برص کے مرض میں مبتلا ہوں مجھے وہ تندرست کر دے۔ اس میں اس کی اور آپ کی رہائی ہے۔ ورنہ سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ بچے یہ پیغام لے کر فقیر کے پاس آئے اور حالات سے آگاہ کیا۔ حضرت خواجہ محمود بنوئی نے اپنے وضو کا پانی حاکم بدن پر ملنے کو دیا اور بفضلِ ایزدی جسم پر ملتے ہی اس کا برص کا مرض جاتا رہا۔ اور راجہ اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ پھر سنم میں اشاعتِ دینِ اسلام کی راہ کافی سہل ہو گئی۔ ہر روز آپ بستی سنم میں پھرتے اور جب بھی موقع ملتا لوگوں کو اکٹھا کر کے اسلام کی دعوت دیتے۔ باوجود تکلیفوں اور مشکلات کے آپ اپنے مشن میں آگے بڑھتے رہے اور اکثر لوگ آپ کے روحانی فیوض و کرامات سے بہرہ یاب ہوئے۔ ہندوؤں کا پانی سے شفا یاب ہونا اور بہت سی پرانی بیماریوں کا آپ کی دعا برکت سے ٹلنا آپ کی معرودِ نیت کا سبب بنا۔ لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آتے اکتسابِ فیض ہوتے اور حلقہٴ ارادت میں شامل ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

تاریخوں کے مطالعہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کس مسجد میں درس و وعظ فرمایا کرتے اور وہ مسجد کس مقام پر تعمیر تھی البتہ امپیریل گزیٹیٹر آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۰۸ء

میں مرقوم ہے کہ

“AT SUNAM ARE THE REMAINS OF THE
OLDEST MOSQUE IN INDIA”

”ہندوستان میں سب سے پرانی مسجد کے نشانات سنام میں ملتے ہیں۔“
 مذکورہ سرکاری اور قابل اعتماد دستاویز سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ
 سنام میں ایک بہت پرانی مسجد کے نشانات بھی ملتے ہیں مگر مکانات قائم نہیں ہیں
 ہم کہہ سکتے ہیں یہ پرانی مسجد خواجہ سید محمود بنوئی کی تعمیر کردہ ہوگی، جس میں آپ عطا
 فرمایا کرتے ہوں گے اور اس کے ساتھ آپکی خانقاہ اور پانی کا کنواں بھی ہوگا۔ بلاشبہ یہ
 سرکاری بیان اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے جسے اس شہر کا سروے اور اس کی
 رپورٹ ثابت کرتی ہے۔

اجڑے دیاروں اور مدفون کھنڈرات کا یہ عظیم تودہ زمین آج سے تقریباً ۹۰۰ سال
 قبل سنام میں ایک پرانی مسجد کی نشاندہی کرتا ہے جو اس ظلمت کردہ کفر میں توحید اور
 گذشتہ دور کی اسلامی عظمت اور شان و شوکت کی یاد تازہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر نریش صاحب چندھی گڑھ (بھارت) مقالہ ”درگاہ حضرت محمود بنوئی سنام“
 میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمود بنوئی کی درگاہ کے ساتھ آج بھی ایک ہزار بیگھے
 زمین وقف ہے تاکہ ان کی آمدن سے درسگاہوں اور مساجد کی تعمیر و مرمت اور آرائش و
 زیبائش، ائمہ و خطبہا کا گزارہ ہو سکے۔ زائرین اور عقیدت مندوں کی سہولت کے مناسب
 اور معقول انتظامات کئے جاسکیں۔ مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ہندو اور سکھ اس مزار کے
 عقیدت مند ہیں اور حاضری دیتے ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ (وشواس) ہے کہ حضرت کے
 مزار سے دو پتھر (روڑے) اٹھا کر اسے پانی میں ڈبو کر اس پانی کو پی لیا جائے تو بیمار
 انسان بیماری سے شفا پاتا ہے۔ اسلامی ماہ ذیقعد کی ۲۶، ۲۷ تاریخ کو آپ کا سالانہ
 عرس منایا جاتا ہے۔ قبروں کو غسل دیا جاتا ہے جس کا پانی لوگ تبرک کے طور پر اپنے اپنے
 گھروں کو لے جاتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت خواجہ کے سالانہ حتم کی
 رسم ادا کی جاتی ہے اور مختلف حضرات کو مختلف ذمہ داریاں سونپ دی جاتی ہیں جو
 اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

وصال شریف اور مزار مبارک

معروف و مقبول قول کے مطابق آپ نے جمعرات کے روز اٹھائیس ذیقعدہ ۵۱۵ھ سنہ میں وفات پائی اور حضرت خواجہ کی تہیز و تکفین کی خدمات آپ کے بھائی سید احمد سعید جو اس وقت تبلیغی سلسلہ میں آپ کے ہمراہ تھے انجام دیں اور گنج شہیداں کے نزدیک آپ کو دفن کیا گیا جو موجودہ سنہ ۱۳۸۱ھ کے سرکاری شفاخانہ کے جنوب مغربی کونے کی جانب واقع ہے۔

مقبرہ کی ڈیوڑھی گذر جانے کے بعد ایک میدان میں آپ کا مزار ہے جس پر ایک خوبصورت پھت واقع ہے۔ اس کے گرد ایک پختہ چار دیواری ہے۔ یہ چار دیواری چھوٹی اینٹوں سے تعمیر ہے۔ بیان کرتے ہیں چاروں گوشوں پر چار چھوٹے چھوٹے مینار تھے جو گر چکے ہیں مگر ان کے نشانات اب نظر نہیں آتے ہیں۔ داخل ہونے کیلئے ایک صدر دروازہ اور وسیع ڈیوڑھی تعمیر ہے جو سادہ اور سبیل دار اینٹوں سے مزین ہے۔ دیواروں میں مختلف قسم کی اینٹیں جو دیدہ زیب تھیں استعمال ہوئی نظر آتی ہیں مستطیل، مربع، پھولدار اور سادہ جن کی عمدگی، خوبصورتی اور کاریگری قابل تعریف ہے۔

آپ کا مقبرہ اسلامی تہذیب و تمدن اور ماضی کی تاریخ کا اینٹنہ دار ہے جو تعمیر کے اعتبار سے (INDO-AFGHAN) یعنی افغان و ہند فن تعمیر کا مخلوط نمونہ پیش کرتا ہے۔ مزار کے گرد و نواح اور صحن کے شمال مغربی جانب چند پرانی ٹوٹی پھوٹی قبور بھی نظر آتی ہیں جن کے اسمائے گمانی اب تک نامعلوم ہیں۔

اس خانقاہ کا رقبہ دو بیگھے ہے۔ خانقاہ کے پاس ایک جانب مسجد، چاہ، غسلخانہ ستادہ بھی ہے۔ دوسری جانب طالبان علم، مریدین اور مسافروں کے رہنے کے لئے چند حجرے اور مسافر خانے بھی ہیں اور مغرب کی جانب ایک لمبی سرنگ کے نشانات بھی ملتے

ہیں۔ مسجد کے سامنے سبز رنگ کی ایک چار دیواری ہے جس میں حضرت خواجہ سید محمود ہونوئی کے جانبے حضرت خواجہ نور محمد کا مزار ہے جس کے اوپر ایک چھتری بنی ہوئی ہے اور اس کے نزدیک ایک تالاب بھی ہے۔ جو اب بالکل خشک اور برباد ہے۔ مسجد سے چند قدم آگے ایک مقام پر حضرت خواجہ کے خاندان کے افراد کی قبریں بیان کی جاتی ہیں جنکے آثار تقریباً اب مٹ چکے ہیں۔ متذکرہ مسجد چھوٹی اینٹوں سے تعمیر ہے۔ اس کی دیواریں اب سبز رنگ کی ہیں اور کوئی مینار نہیں۔ مسجد کی پیشانی پر سب سے اوپر ایک کتاب نظر آتا ہے جس پر درج ذیل غیر منقش قرآنی آیات علی حروف میں خط اسلامی میں کندہ ہے "کُفِرَ مِنْ آلِهِ وَفِتْمَ قَرِيبٍ" یہ خط اسلامی اس دور میں صرف قرآنی مخطوطات اور عماراتی کتب تک محدود تھا۔ کتابہ پر کاتب کا نام درج نہیں ہو سکتا ہے کہ کاتب شہرت کا خواہش مند نہ ہو اور اس سنگی تحریر کو لو اب داریں سمجھ کر انجام دیا ہو۔

تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب مسلم مجاہدین غیر مسلم علاقوں کو فتح کرتے اور ان کے شہروں اور قصبوں میں رہائش پذیر ہوتے تو سب سے پہلے مساجد اور پختہ کنوئیں تعمیر کرواتے پھر درس گاہوں اور رہائشی مکانات کی بنیاد رکھتے، مساجد اور درس گاہوں کی پیشانی کو کتبات سے مزین کرتے جن پر قرآنی آیات ثبت ہوتیں جو اس دور میں جہاد کے مفہوم کو ادا کرتیں۔ بعض کتبات پر قرآنی آیات کے علاوہ عمارت کا سن تعمیر اور کاتب کا نام بھی پایا جاتا ہے۔ اس دور میں شمالی ہند (پنجاب) میں قرآن کریم بھی لکھے گئے۔ جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں کے مقامی لوگ کتبات کے فن سے متعارف ہو چکے تھے اور صوفیائے کرام جو یہاں تبلیغی رول ادا کر رہے تھے، نے اپنے ملفوظات و ہدایات کو تحریری طور پر مختلف علاقوں تک پہنچایا جس کے سبب اشاعت اسلام میں ترقی ہوئی اور تصوف نے فروغ پایا۔ اس ضمن میں حضرت علی بن عثمان ہجویری کا نام سرفہرست ہے۔ جنہوں نے یہاں دہش و ہدایت کا آغاز و ریل تدریس کے ساتھ تحریر سے بھی انجام دیا اور اپنی مشہور کتاب فارسی زبان میں کشف المحجوب،

لاہور میں لکھی، ان قلمی ہدایات کو مختلف شہروں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علم کتابت اور فن خوش خطی اس وقت شمالی ہند (پنجاب) میں رائج ہوئے نظر آتے ہیں۔ مصادرا اور ماخذ کی کمی کے باعث اس مقام کی ثقافتی تاریخ بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہے۔

حضرت خواجہ کے مزار کی عمارت بہت بوسیدہ ہے اور قابلِ مرمت ہے بحقیقت مند اور محکمہ آثار قدیمہ جو کہ قدم آثاروں کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، اس مزار کی مرمت کی طرف خصوصی توجہ دے تاکہ دو عزیز نومی کا عظیم صوفی اور ولی اللہ جس نے دین اسلام کا درس دیا۔ کفرستانِ ضلالت و گمراہی کو تبدیلِ ایمان سے جگمگایا اور صراطِ مستقیم پر گامزن کیا، اسلامی مرکز اور قیام کا قائم کئے، درویشوں، مسافروں اور طلباء کے لئے لنگر جاری کئے، علم و سیر کی مشعلیں روشن کیں۔ عرصہ تقریباً نو سو سال سے جو خواب ہیں، کے نشانات محفوظ و ماموں ہو جائیں۔

اس خانقاہ کی چار دیواری میں ایک "موری" بھی ہے جہاں آسیب زدہ مرد، عورتیں، بچے، ہندو، سکھ، مسلمان سبھی آسیب اور جنات کے عمل دخل کو دور کرنے کی خاطر حاضر دیتے ہیں۔ آسیب زدہ مریض "موری" کے پاس جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے "موری" کو چومتے ہیں پھر باری باری اپنا سر "موری" کے اندر داخل کرتے ہیں۔ مجاور خانقاہ جنہوں نے قوالوں کی چوکی مقرر کر رکھی ہوئی ہے قوالی کرتے ہیں۔ مریض کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا گانے سناتے ہیں۔ پھر صاحب کی کرامت کی برکت سے شفا یاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد خانقاہ کے مجاور چارونج والہ مٹی کا دیا مریض کو بطور تبرک پیش کرتے ہیں کہ اگر یہ تکالیف پھر عود کر آئے تو اپنے گھر میں اس دیا کو جلا کر اس کے سامنے بیٹھ جائے۔ پھر پھر صاحب کی خانقاہ اور موری کا تصور کرے۔ دیا کے جلتے ہی مریض اس سے مریض شفا پائے گا۔ اس عمل میں کتنی سچائی یا تو اہم پرستی ہے۔ یہ ہماری بحث کا مضمون نہیں ہے چونکہ ایسا عمل وہاں ہوتا ہے جسے بیان کر دیا گیا ہے اسے پھر صاحب کی کرامتوں میں سے ایک اہم کرامت بیان کرتے ہیں۔

بلا تروید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صوفیائے عظام جس طرح زندگی میں لوگوں کو اپنے حسن اخلاق اور فیضانِ نظر کے ذریعے دینِ حق کے قریب لاتے رہے، قرآنِ کریم اور سنتِ نبویؐ کی تبلیغ و تعمیل کی روشنی سے عالم کو لفقہ نور بناتے رہے اور اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفید کرتے رہے۔ اسی طرح ان کی رحلت کے بعد بھی انکا فیض جاری و ساری رہتا ہے اس مزار پر جذبہ جلالیت واضح طور پر نمایاں ہے۔
متذکرہ عمل کے ابتدائی حالات بہت کم یاب ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سب سے پہلے یہ عمل کس سے آغاز ہوا اور اس کا موجد کون تھا۔ بہر حال یہ عمل صدیوں سے چلا آ رہا ہے جو "موری" پیر صاحبؒ کے نام سے معروف ہے۔

باب ۹

درگاہ عالی کی تولیت

اس مزار کی تولیت و نگرانی مختلف اوقات میں مختلف حضرات کے سپرد رہیں آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھائی سید احمد سعید متولی مزار ہوئے۔ آپ بڑے شفیق، مہمان نواز، عابد، مخلص اور درویش سیرت انسان تھے۔ آپ سالانہ عرس و دیگر تقریبات کو نہایت گرم جوشی، محبت اور خلوص نیت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ بھائی کی جدائی کو برداشت نہ کر سکے اور کچھ عرصہ کے بعد آپ بھی اس سرائے فانی سے دل برداشت ہو کر عالم بقاء کو رحلت فرما گئے۔ زان بعد سید نور محمد متولی مزار ہوئے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی خانقاہ کی جاروب کشی اور اعتکاف میں بسر کی۔ آپ کی وفات کے بعد علی بیگ مرزا جالندھری و مرزا علی خانقاہ کی نگرانی کرتے رہے۔ جب ان کا بھی جامِ عمر لبریز

ہوا تو ان کے پسر مرزا حیدر علی جانشین ہوئے چند برسوں کے بعد وہ بھی اس دنیا سے چل بسے۔ چند واسطوں اور برسوں کے گزر جانے کے بعد دورِ حاضرہ میں حضرت خواجہ سید محمود بنوئی کے عقیدت مندوں میں سے جن کا نام مرزا علی بیگ جالندھری بیان کرتے ہیں اور جن کی اولاد ابھی تک جالندھری میں موجود ہے، نگرانِ خانقاہ ہوئے۔ تاریخ کے اوراق اور تذکرہ نویس ان کے شجرہ نسب اور طریقت سے آگاہ نہیں کرتے تاہم انہوں نے صاحبِ مزار کے مسلک کے مطابق تعلیمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ آج نہ صرف بھارت بلکہ پاکستان کے کونہ کونہ میں آپ کے عقیدت مند موجود ہیں۔ جو سال کے تمام دنوں میں اور خاص طور سے عرس کے موقع پر سکونِ قلب کے لئے آپ کی درگاہ پر حاضری دیتے ہیں۔ یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے۔ یہاں انوار کی بارش ہوتی ہے جو دلوں کو منور کرتی ہے۔ زائرین اور مقامی لوگوں کو ذہنی سکون اور روحانی سرور پہنچاتی ہے۔ کیف و مستی کا سماں رہتا ہے۔ بے قرار یوں کو قرار میسر آجاتا ہے۔ غرضیکہ سائل اس مقام پر دعاؤں کی قبولیت، روحانی قوت اور سکونِ قلب کی دولت کو حاصل کرتے ہیں۔

آپ کا عرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸ ماہ ذیقعد آپ کے سالانہ عرس کی تاریخ ہے مگر ڈاکٹر نریش صاحب چند ہی گڑھ (بھارت) آپ کے سالانہ عرس کی تاریخ اپنے مقالہ ”درگاہ حضرت محمود بنوئی سلم نام“ میں ۲۶، ۲۷ ماہ ذیقعد بیان کرتے ہیں حالانکہ حضرت خواجہ سید محمود بنوئی نے ۲۸ ذیقعد ۱۵۱۵ ہجری میں وفات پائی اور ۲۸ ذیقعد آپ کا یوم وصال ہے۔ تقسیم ہندوستان سے قبل آپ کا سالانہ عرس تین دن ۲۶، ۲۷، ۲۸ ذیقعد کو منایا جاتا تھا یہ مذکورہ تاریخیں آپ کے یوم وصال کی تاریخ سے مطابقت کرتی ہیں اور درست تسلیم کی جاتی ہیں۔

مسٹر پریم سیانی چند ہی گڑھ (بھارت) اپنے انگریزی مقالہ ”قلوہ سلم نام“ میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمود بنوئی کا سالانہ عرس ۳۱ جولائی کو منایا جاتا ہے اور اسی دن شہید آدم سنگھ کے سالانہ میلہ کی بنیاد رکھی گئی تھی ان دونوں بیانات میں خاصہ

تضاد پایا جاتا ہے۔ بہر حال آپ کے عرس کی صحیح اور تسلیم شدہ تاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ ماہ ذیقعد ہے۔

عرس کے ایام کے علاوہ مزار مبارکہ پر جمعرات کو ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے ہیں اور خاصی رونق ہو جاتی ہے۔ عیدین کے موقع پر روضہ مبارکہ پر ایک عظیم الشان میلہ بھی لگتا ہے جس میں ریاست مالیر کوٹلہ، پٹیالہ اور دیگر ضلعوں کے سائل ٹوٹے ہوئے دل لے کر آتے ہیں اور مردوں سے بھری ہوئی جھولیوں کے ساتھ واپس جاتے ہیں۔ غرضیکہ عرس کے موقع پر مجالس ذکر و سماع ہوتی ہیں جس میں آپ کے عقیدت مند جوش و جذبہ اور مستی کے عالم میں شریک ہوتے ہیں اور خانقاہ کی عظمت و شوکت کو بجا مکان اجاگر کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ روضہ مبارکہ پر صبح سے شام تک بلکہ رات بھر قرآن پاک کی تلاوت و نعت خوانی اور درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ عشق و سلوک، عقیدت و محبت، عبادت و ریاضت کی محفلیں نظر آتی ہیں۔ دربار کے اندر باہر اور گنبد پر رنگین ملیوں سے روشنی کی جاتی ہے۔ رزگارنگ کی قندیلوں اور طرح طرح کے فانوسوں سے مزار کو چراغاں کر کے بقعہ نور بنا دیا جاتا ہے۔ ہر قندیل آفتاب کی طرح اپنی روشنی پھیلاتی ہوئی نظر آتی ہے اور ہر جگہ نورانی دکھائی دیتی ہے۔ فقراء و مساکین اور زائرین کو کھانا دیا جاتا ہے اور مسافروں کی بھی خدمت کی جاتی ہے۔

عرس سے ہفتہ عشر پہلے دربار کے قرب و جوار میں دوکانیں لگنا شروع ہو جاتی ہیں۔ لوگوں کے ہجوم سے سڑکیں پُر رونق ہو جاتی ہیں اور ہر آدمی اپنی ضروریات کے مطابق خرید و فروخت کرتا ہے۔

تقریباً نو سو برس گزر جانے کے باوجود اس آفتابِ رشد و ہدایت کی دل آویز شعاعیں آج بھی روز روشن کی طرح تاباں ہیں جس سے ساری بستی چمک رہی ہے زمانہ کی تند و تیز ہوائیں ان مقبولانِ بارگاہِ الہی کی فیروزاں شمعیں بجھا سکیں بلکہ فتن و فسادِ حسد و عنادات کے طوفان نے انہیں اور روشن کر دیا اور واحدیت و روحانیت کا پرچم اور بلند ہوا تقسیم ہندوستان کے بعد اس خائفہ کے جباور اور نگرانِ پاکستان

اگے ہیں۔ اب سالانہ عرس اور میلہ کی رسم اس بستی کے مقامی لوگ جو بھارت میں مقیم ہیں ادا کرتے ہیں اور مقبولانِ بارگاہِ الہی کے انوار و برکات کی تجلیات سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہرگز نیرد

سلطان العارفین حضرت بابو سلطان فرماتے ہیں :-

نام فقیر تہا دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

آج حضرت خواجہ اور ان کے خاندان کے مزارات اور مقبروں کی حالت خستہ، جا بجا بکھری ہوئی نیم ایستادہ، بوسیدہ بے سقف دیواریں، شکستہ مساجد اور چبوترے، ویران باغات اور سنسان جوئلیاں کے کھنڈرات اپنی ویرانی بے سرو سامانی اور زبوں حالی کا گلہ مسلمان زائرین سے کر رہے ہیں اور زبانِ حال سے اپنی گذشتہ عظمت اور شان و شوکت کی خوبچکاں داستان بیان کر رہے ہیں :-

ورد اپنا مجھ سے کہہ کہ میں بھی سراپا درد ہوں

جس کی تو منزل تھا میں اس کارواں کا گرد ہوں

اگرچہ یہ تذکرہ مائل بہ اختصار ہے لیکن طالبانِ راہِ طریقت اس مختصر جائزہ سے بھی اسودہ خاطر ہو سکتے ہیں اور مزید تحقیق کی راہیں کھل سکتی ہیں اور اپنے علم و فضل کی بدولت ایک عالیشان و فلک بوس عمارت تیار کر سکتے ہیں۔

روز و شب دردِ دردی نوشم

درخسہ و شمشیر گرچہ خاموشم

خادم الفقراء

میاں اخلاق احمد عفی عنہ

میداد عارف بہروردی
محلہ خواجگان - کجوات شہر

آپ کے مشائخ طریقت کا شجرہ طیبہ

حضرت خواجہ محمود بنوئی بخاری (ثم سنامی) حضرت خواجہ حاجی شریف
زندانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کے نام
بمترتیب حسب ذیل ہیں:-

- ۱- حضرت خواجہ محمود بنوئی بخاری (ثم سنامی) (م ۵۱۵ھ) مرقد مبارک سنام
- ۲- حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی (م ۵۸۲ھ) " " بلاد بخارا
- ۳- حضرت خواجہ قطب الدین موذور حشٹی (م ۵۲۶ھ) " " چشت
- ۴- حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر الدین حشٹی (م ۴۵۹ھ) " " "
- ۵- حضرت خواجہ ابو محمد حشٹی (م ۴۱۱ھ) " " "
- ۶- حضرت خواجہ ابو احمد ابدال حشٹی (م ۳۵۵ھ) " " "
- ۷- حضرت خواجہ ابوالسحاق شرف الدین شامی حشٹی (م ۳۵۵ھ) " " عکہ (شام)
- ۸- حضرت خواجہ مشاد علی دینوری (م ۲۹۹ھ) درمیان ہمدان اور بغداد
- ۹- حضرت خواجہ امین الدین ابی ہیرة الصبری (م ۲۸۶ھ) بلاد بصرہ
- ۱۰- حضرت خواجہ سدید الدین خدیفۃ المرعشی (م ۲۶۶ھ) " " "
- ۱۱- حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم بلخی (م ۲۶۲ھ) جلد ملک شام
- ۱۲- حضرت خواجہ ابی فیض فیصل بن عیاض (م ۱۸۶ھ) مکہ مکرمہ زور و صنہ حضرت خدیجہ

- ۱۳- حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید (م ۱۶۶ھ) بلاد بصرہ
- ۱۴- حضرت خواجہ حسن بصری (م ۱۰۲ھ) "
- ۱۵- حضرت علی کرم اللہ وجہہ (م ۲۰ھ) نجف اشرف
- ۱۶- حضرت سید المرسلین خاتم النبیین - شفیع المذنبین رحمة العالمین شفاعت دستگاہ
امت پناہ، سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ و صحابہ وسلم (م ۱۱ھ ۶۳۲ء)
مدینہ منورہ -

حقیر

میاں اخلاق احمد (ایم-۱۷)

۱۔ تتمہ

(i) حوالہ جات (ii) توضیحات (iii) حوالہ بعض رجال مذکورہ و تذکرہ

ابتدائیہ

۱۔ پیر بننا بنوئی کے معنی قریہ بنو کا دولہا (لاڑا) یا قریہ بنو کا ہماں پنجاب کے دیہتوں اور قبضوں میں عورت و احترام کے لحاظ سے دولہا کو ”ہماں“ کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔

باب ۱

حصہ ۱۳ چنستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی رح از
مولوی فضل حق صاحب (شکرگوری) ۱۹۲۲ء

۲۔ البیرونی۔ البوریجان محمد بن احمد البیرونی (۹۶۳ء - ۱۰۴۸ء) مشہور مسلمان ماہر
طبیعات و فلکیات، تحقیق و مورخ، فارسی، سنسکرت، عبرانی اور کئی دیگر زبانوں پر عبور
حاصل تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے دربار کی زینت تھے۔ آپ خوارزم (خیوا) کے قریب
ایک گاؤں "بیرون" میں ۳۶۲ھ / ۹۶۳ء میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت البیرونی
مشہور ہوئے۔ تیس برس تک اپنے وطن میں رہے پھر کئی سال شمس المعالی والئے جرجان
طبرستان کے دربار سے وابستہ رہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۱۲۰ھ سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے
کے بعد ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء میں وفات پائی۔ بیہقی تاریخ الحکما میں بیان کرتے ہیں کہ البیرونی
نے چالیس سال سے زیادہ تحصیل علوم میں صرف کئے اور ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ
کتابیں لکھیں۔ "قانون مسعودی" جو علم ہیئت پر ہے آپ کی بلند پایہ تصنیف بیان کی
جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الہند، "انوار الباقیہ" اور القرآن الخالیہ بہت
مقبول و معروف ہیں۔ کتاب الہند میں ہندوؤں کے متعلق مکمل کوائف ملتے ہیں۔ اس
کتاب میں ہندوستان کے مذاہب، فلسفہ، آداب، جغرافیہ، ہیئت، جوشش، رسم و
رواج اور قوانین کا بیان ہے۔ البیرونی سب سے پہلا مسلمان محقق ہے جس نے ہندی
علوم کا مطالعہ خود اس برصغیر میں آکر کیا۔ اور ہندی علوم کی کتابیں یہاں رہ کر پنڈتوں کی
مدد سے پڑھیں اور ہندوستان کے شہروں کی سیاحت کی اور ان کا آنکھوں دیکھا حال
اپنی مشہور تصنیف کتاب الہند میں لکھا ہے، اس کا بوعلی سینا سے اکثر مناظرہ ہوتا تھا۔
البیرونی کی عمر وفات کے وقت ۷۷ سال، ماہ تھی، جمعہ کے روز ۴۴۰ھ میں ۲ رجب
مطابق ۱۱ ستمبر ۱۰۴۸ء کو عشاء کے بعد غزنی میں وفات پائی۔ وفات غزنی میں ہوئی لیکن
قبر کا نام و نشان نہیں ملتا۔

۳۔ ماخذ روزنامہ ٹریبون پنجابی - مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء چند ہی گڑھ مشرقی

پنجاب (بھارت)۔

۴۔ چمنستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی از مولوی فضل حق صاحب سنگھ پوری ص ۴-۵ میں براہمن لڑکی کی بجائے کنجدگر کی لڑکی لکھا ہے اس کے علاوہ سنہ نام کے پرانے لوگ "سونا گوری دوشیزہ" کا نام بھی بیان کرتے ہیں۔

۵۔ ص ۱۲ چمنستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی از

مولوی فضل حق سنگھ پوری (۱۹۲۲ء)

باب - ۲

۱۔ مولانا محمد

۱۔ فخر الدین فخر جہاں :- اسم گرامی محمد فخر الدین۔ لقب "مولانا صاحب" خطاب "محبب القسی" تھا۔ آپ ۱۱۲۶ھ مطابق ۱۷۱۶ء کو اوزنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام نامی اسم گرامی حضرت شیخ نظام الدین ہے آپ کے خاندان کے بزرگ باہر سے تشریف لا کر قصبہ ننگراؤں (کاکوری) اودھ میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کے والد محترم دہلی میں آ کر حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی سے بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ اپنے پیرومرد کے فرمان کے مطابق رشد و ہدایت، تعلیم و تربیت اور اشاعت دین اسلام کی غرض سے دکن تشریف لے گئے۔ اوزنگ آباد (دکن) میں قیام کیا اور اسی نسبت سے اوزنگ آبادی معروف زمانہ ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام سید بیگم تھا اور حضرت سید محمد گیسو دراز کے خاندان سے تھیں۔ آپ بڑی عابدہ متقی اور پرہیزگار تھیں (ماخذ شجرۃ الانوار)

آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے واسطے سے حضرت صدیق اکبر سے جا ملتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت بندہ نواز گیسو دراز تک جا پہنچتا ہے (خلاصۃ الفوائد) سلسلہ حدیث میں آپ نے اپنے آپ کو صدیقی لکھا ہے (تکملاً سیر الاولیاء ص ۹۴) آپ کے والد ماجد نے آپ کی ولادت کی خبر اپنے پیرومرد

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں پوری کو کی۔ آپ بہت خوش ہوئے کہ اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدین کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ محمد فخر الدین نام تجویز کیا اور ”مولانا“ کا لقب فرمایا (مناقب فخریہ ص ۱۵) اپنا ملبوس خاص آپ کے لئے عنایت فرمایا۔ اس نومولود بچے کے شاندار مستقبل کی بشارت دی اور فرمایا کہ یہ لڑکا شاہ جہاں آباد میں ہدایت و ارشاد کی شمع کو فروزاں کریگا (مناقب فخریہ ص ۱۵) تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۵) پہلی بیوی کے بطن سے دولڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام محمد اسمعیل اور فخر الدین ہے (مناقب فخریہ ص ۹) تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶) دوسری بیوی سے تین لڑکے ہوئے جنکا نام غلام معین الدین، غلام بہاؤ الدین اور غلام کلیم اللہ تھے۔ یہ تین بھائی اور بہن آپ سے بیعت فقیں۔ آپ کے بڑے بھائی خواجہ کامکار خاں کے مرید تھے۔ بہادر شاہ ظفر کو حضرت مولانا فخر الدین کے اُستانہ سے بہت محبت تھی۔ اکثر وہاں قیام کیا کرتے تھے۔ اُستانہ کی طرف کبھی پشت نہ کرتے جب بھی آپ کا ذکر اُتارونے لگتے (تذکرہ اولیائے ہند از مرزا احمد اختر) ۲۶ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ / ۱۶۸۴ء کو آپ نے وفات پائی۔ مزار شریف دہلی میں ہے آپ کا مادہ تاریخ ”خورشید دو جہانی“ ہے۔

سال وصال اُن ماہ از غیب چوں بستم

تاریخ کفایت با تفسیر خورشید دو جہانی ۱۱۹۹ھ

۲۱ مشائخ چشت کا شجرہ فتوح السلاطین ص ۷۷ (بصیح محمد یونس مدارس ۱۹۴۸ء)

۳۱ نفحات الانس از مولانا عبدالرحمن جاتی ص ۲۰۷

باب ۳

۱۷ ص ۲۱ چنستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی

از مولوی فضل حق صاحب سنگدوری (۱۹۲۲ء)

باب ۴

۱۷ حضرت سید عبدالقادر اولیائے عالم کے سردار اور وہ مقدس و مطہر ہستی ہیں۔

جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھیلائی ہوئی شریعت کو زندہ اور روشن کیا۔ آپ کو حسنی و
حسینی سید کہتے ہیں۔ آپ کیا ماں کیا باپ دونوں طرف سے آل رسول تھے رضوان اللہ
علیہم اجمعین۔

آپ کے خاندان کی جائے سکونت جیلان (گیلان) میں تھی اور اسی چھوٹے سے زرخیز
قصبہ میں آپ پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض ۴۰ھ اور بعض ۴۱ھ
بتاتے ہیں بروایت ابو صالح نصرہ ۴۰ھ اور بروایت ابو الفضل احمد ۴۱ھ ہے۔ آپ کے
والد بزرگوار ابو صالح کو جنگ سے بہت رغبت تھی۔ اس لئے انہیں جنگی دوست کے
لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ نہایت نیک اور صالح بزرگ تھے۔ سفینۃ الاولیاء
میں آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالرزاق رحمہ اللہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ
کی عمر بہت ہو گئی تھی اور مایوسی کا زمانہ آ گیا تھا۔ جب آپ بطنِ مادر میں تشریف لائے۔
یہ بھی آنحضرت کی کلمات سے ہے جو خدا کے فضل و کرم سے آپ کو حاصل تھیں۔ آپ کی والدہ
ماجدہ بڑی متقیہ، عارفہ، صالحہ اور صاف کشف و کرامات تھیں۔

حضرت غوث الاعظم کے ناما عبداللہ صومعی اپنے وقت کے مشہور ولی اللہ تھے
اور آپ کی چھوٹی سیدہ عائشہ جیلان کی بڑی پارسا خاتون تھیں۔ آپ کو تحصیلِ علم کا بہت
شوق تھا۔ آپ ۴۸ھ میں بغداد تشریف لائے۔ یہ شہر عباسیوں کا دارالسلطنت ہونے
کی وجہ سے علوم و فنون کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں کی شہرہ آفاق اسلامی درسگاہ نظامیہ جو
دنیا بھر کے طلبہ کا مرقع تھی۔ اس دارالعلوم میں داخل ہوئے اور بجاں و دل تحصیلِ علوم میں مشغول
ہوئے۔ تھوڑے عرصہ میں قرآن مجید بعدہ علم فقہ و حدیث اور دیگر علوم و نسیہ میں وہ
کمال حاصل کیا کہ ممتاز اور شہرہ آفاق ہو گئے اور اپنے اقران و اہل زبان پر سبقت لے گئے
آپ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسی تھے اور خرقہ ارادت حضرت شیخ ابو
سعید مبارک محرز و حنی قدس سرہ سے حاصل کیا جن کا سلسلہ بیعت حضرت معروف کرخی
تک پہنچ کر حضرت امام رضا تک منتہی ہوتا ہے اور پھر ان کے اباؤ کے واسطے حضرت رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے پیر صحبت حضرت شیخ حماد و باس قدس سرہ

تھے جو بغداد کے بڑے مشہور مشائخ سے تھے اور بغداد میں انکو روخرما کا شیرہ فروخت کیا کرتے تھے اس لئے انہیں ”دباس“ کہتے ہیں۔ مرآة الاسرار میں مرقوم ہے کہ ابتدائے حال میں حضرت خضر علیہ السلام نے بھی آپ کو کسی قدر تربیت دی ہے اور تاج العارفین شیخ ابوالوفابغدادی سے بھی آپ نے خرقہ پہنا تھا جو شیخ ابو محمد شیبگی کے مرید تھے انکے پیر شیخ ابوبکر بن ہوار بطائنی تھے۔ جنہوں نے خواب میں حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ خرقہ اور ٹوپی پہنی تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے آپ کی بزرگی کی بشارت دی تھی۔

حضرت غوث الاعظم نے ماہ شوال ۵۲۱ھ میں بہ اشارہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پر پہلا وعظ فرمایا، آپ کا مقصد یہ تھا کہ بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ ہدایت دکھائیں۔ گنہگاروں کو گناہ کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت اور نیکی کی روشن منزل تک لے جائیں، بیماروں کا علاج کریں اور مردہ دلوں کو زندگی بخشیں۔ موثر وعظ کی وجہ سے آپ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت و بزرگی بلیٹھ گئی اور قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ آپ کی مجلس میں لوگ کثرت سے آنے لگے اور مدرسہ کی جگہ جو بغداد کے محلہ ”باب الدرزح“ میں واقع تھا ناکافی ہو گئی۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے سامعین مدرسہ کے باہر کھڑے ہو کر آپ کے ارشادات گراچی سے فیض یاب ہوئے۔ ۵۲۸ھ میں یہ مدرسہ ایک عالی شان عمارت میں بن کر تیار ہوا۔ دُور دراز ممالک سے بھی لوگ شریعت و طریقت کے حصول کے لئے آتے اور فیض یاب ہو کر واپس اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے تھے جن میں بڑے بڑے مشائخ اور علمائے کرام بھی ہوتے تھے۔ اس طرح آپ کے عقیدت مند تمام عالم اسلام میں پھیل گئے۔

آپ نے ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ آپ کا عرس پاکستان میں ۱۱ ربیع الثانی اور بغداد شریف میں ستر^(۱۶) ٹھویں ربیع الثانی کو بالعموم ہوتا ہے۔

آپ صاحب تصنیف بھی تھے غینۃ الطالبین، فتوح الغیب، جلاء الخواطر، فتح الربانی اور قصائد آپ کی مشہور و معروف تصانیف ہیں۔ ایک قصیدہ بھی آپ نے تصنیف فرمایا جو قصیدہ غوثیہ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت غوث الاعظم نے مناجات

کے طور پر تین اشعار پڑھے جو پہلے کاف کے نام سے مشہور ہے۔ پہلے کاف کی شرح مولانا رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ اہلوتوی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۶ء نے کی جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ قلمی نسخہ کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں موجود ہے یہ شرح بتاریخ اول صفر ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۶ء فارسی زبان میں لکھی گئی۔

ماخذ ابن الاثیر تاریخ الکامل (۱۱: ۱۲۱)، داراشکوہ سفینتہ الاولیاء لکھنؤ ۱۸۶۲ء ص ۲۳ تا ۵۸، عبدالمسی کوکب: شاہ جیلان لاہور ۱۹۶۱ء، خاتون پاکستان (ماہنامہ) کراچی، غوث اعظم نمبر ۱۹۶۶ء نور بخش توکلی سیرۃ سیدنا غوث اعظم لاہور ۱۹۶۶ء، حبیب الرحمن خاں شروانی ذکر محبوب، حیدرآباد دکن ۱۳۴۳ھ الشترانی طبقاً: ۱۰۸: ۱۰۷ ص ۳۲ چینستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی رح از مولوی فضل حق صاحب سنگر پوری ۱۹۲۲ء۔

۱۰۸ ص ۲۵ چینستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی رح از مولوی فضل حق صاحب سنگر پوری ۱۹۲۲ء۔

۱۰۹ ص ۱۵۲ ایضاً

باب ۵

(۱) جائے وقوع

۱۰۱ امپریل گزیٹ آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۰۸ء ص ۱۳۹ جلد ۲۳ دوبارہ اشاعت پنجاب جلد دوم عزیز پبلشر لاہور ص ۲۸۶ (پاکستان)

۱۰۲ اس سے سلطان فیروز شاہ تغلق بادشاہ ہندوستان مراد ہے۔

۱۰۳ سردار پرتاپ سنگھ، سردار دیوا سنگھ کے فرزند تھے آپ کے سی۔ ایس۔ ائی پریزیڈنٹ کونسل آف ریجنی ریاست پٹیالہ کے عہدہ پر مقرر تھے۔ آپ

فاضل اور علم دوست تھے۔ آپ کی تصنیف ”جغرافیہ ریاست پٹیالہ“ سن ۱۸۸۱ء میں نو لکھنور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی، علمی حلقوں میں یہ کتاب ممتاز مقام رکھتی ہے
ماخذ ص ۲۵

۴۷ ندی، نالہ یا چشمہ مگر سردار صاحب اس ندی کا نام بیان نہیں کرتے۔
۴۸ ص ۱۲-۱۵ جغرافیہ پٹیالہ تصنیف پنڈت گنیشی لعل مدرس اول ریاضی،
کانج پٹیالہ ۱۸۸۱ء پٹیالہ۔

۴۹ مزار حضرت داتا گنج بخش لاہوری (م ۶۵/۶۳-۱۰۶۲ھ) مزار امیر ایاز
لاہوری، مزار حضرت سیدنا امام علی الحق سیالکوٹی اور مزار مسعود سعد سلمان
مرنگ لاہور، (وفات ۲۹۲ھ/۹۹-۱۰۹۸ء)

(۲) سنام کے نام کی وجہ تسمیہ

PATILAL AND ITS HISTORICAL SURROUNDINGS
ED: BY S, FUJA SINGH, PUNJABI UNIVERSITY
PATILAL, 1969 - P 63

- ۴۲ غیاث اللغات بذیل لفظ ”س“
۴۳ گوجری کے معنی گوجر عورت، گوالن
۴۴ سلسلہ الاولیاء قلمی نسخہ (ورق ۸۳ ب حاشیہ فارسی) مملوکہ پروفیسر ڈاکٹر
احمد حسین قریشی گجرات (پاکستان)
۴۵ ماخذ کتاب الہند از البیرونی، تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ از عبدالقادر
بدایونی، دربار اکبری، طبقات اکبری از نظام الدین احمد ہروی
۴۶ پنجاب گزیٹر (پھلکیاں سٹیٹ) پٹیالہ

(۳) سُنام کی تاریخ

۱۔ ص ۱۳۹ جلد ۲۳۔ امپریئل گزیٹیٹ آف انڈیا (۱۹۰۸ء) مطبوعہ
 پنجاب جلد دوم (دوبارہ اشاعت عزیز پبلشرز لاہور سن ۱۹۶۹ء)
 ۳۔ ہرشی والمیک کی رامائن زمانہ قدیم کی یادداشت ہے اور ادبی لحاظ
 سے ممتاز خیال کی جاتی ہے۔ ہرشی والمیک بھگت اور شاعر تھے۔ ایشور کے
 سیوک اور پن کے پرچارک تھے۔ کھانا کھلانا اور سیوا کرنا ان کا کارن تھا۔ مگر
 مورخ نہیں تھا۔ صرف چند قدیم یادداشتوں کو اکٹھا کئے ہوئے تھے۔ سادھوؤں
 سے بہت پیار تھا۔ پن کے کاموں میں بہت دل چسپی تھی، تالاب، چر سے، باولی
 اور کنوئیں کی تعمیر کی لگن تھی۔ دیوتاؤں کے شہر سُنام میں ایک دیوتا تھے۔
 ۴۔ ماخذ تاریخ سُنام از سیاح سُنامی (بھارت)

TRANSLATED FROM "PATILALAND ITS
 SURROUNDINGS" ED, BY S. FUJA SINGH PUNJABI
 UNIVERSITY PATILAL 1969 - P63

(۴) سُنام کی پیداوار اور عوام

۱۔ ص ۲۵۔ جغرافیہ ریاست پٹیالہ از سردار پرتاپ سنگھ
 ۲۔ کوہ نور ہیرا۔ تاریخوں کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ
 دنیا میں اپنی خوبیوں، قد و قامت اور قیمت کے لحاظ سے تین ہیرے سب سے
 زیادہ مشہور ہیں "اورلف"، "ڈریائے نور"، (یا منغل اعظم) اور "کوہ نور" ان میں سے
 اول الذکر ہیرا زار روس (ایب شاید USSR) کے، دوسرا شاہ ایران اور تیسرا
 کوہ نور ملکہ انگلستان کے قبضے میں ہے۔ تینوں ہیرے دراصل ہندوستان کی
 ملکیت تھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان سے چھن گئے اور بادشاہ

نادر شاہ ۱ نہیں ایران لے گیا۔ اس وقت دریائے نور کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ روپیہ اور لطف کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ بیان کی جاتی تھی لیکن کوہ نور ان دونوں ہیروں سے زیادہ قیمتی اور خوبصورت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ جنگ ہما بھارت میں یہ الماس راجہ کرن کے قبضہ میں موجود تھا۔ پھر ۱۳۱۰ء میں مالوہ کی فتح کے وقت سلطان علاء الدین خلجی کے ہاتھ آیا۔ ۱۵۲۶ء پانی پت کی لڑائی کے بعد جب بابر سلطنت ہندوستان پر قابض ہوا تو یہ ہیرا بھی اس کے تصرف میں آیا۔ پھر بابر کی لڑائی گلبدن بیگم کے قبضہ میں دیگر جواہرات کے ساتھ کئی سال اس کی ہندو فوجی میں رہا اور یہ ہندو فوجی بصورت سفر و قیام گلبدن بیگم کے پاس رہتی جس کی وہ خود نگران محافظ اور ذمہ دار تھی۔

محمد شاہ کی تخت نشینی سے قبل مغلیہ بادشاہوں کے خزانے کی زینت رہا۔ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ ایرانی نے اسے محمد شاہ رنگیلا سے غصب کر لیا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ درانی کی ملکیت رہا پھر ہمارا راجہ رنجیت سنگھ نے احمد شاہ کے پوتے شاہ شجاع الملک سے چھین لیا، ۱۸۴۹ء میں جب انگریزوں نے پنجاب کا الحاق اپنی سلطنت سے کر لیا تو یہ ہیرا بھی سکھوں سے چھین کر کلکتہ بھیج دیا گیا اور کلکتہ سے انگلستان ۳ جون ۱۸۵۰ء کو ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اب اس کا وزن صرف ۱.۶ اقدرا رہ گیا ہے (ماخذ ہمایوں نامہ گلبدن بیگم ص ۱۹-۲۰۔ اور تاریخ ہیرا کوہ نور بحوالہ تاریخ ہند از خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی وغیرہ)

سے ماخذ تاریخ کبولاں از منشی وہاب الدین بی اے لاہور

(۵) سنہ کی اہمیت و چند مشاہیر

۱۷ سرہند سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد سلطنت (۶۵۲ھ-۶۸۵ھ مطابق ۱۳۵۱ء-۱۳۸۸ء) میں بیابان جنگل اور شیروں کا مسکن تھا۔ یہ مقام

قریب براس سے چھ سات کوس کے فاصلہ پر واقع تھا اور اس کے گرد و نواح میں کوئی شہر نہ تھا۔ لوگوں کو سلطانی مالیہ ڈوری کی وجہ سے شہر سامانہ پہنچانے میں بڑی قیمت ہوتی تھی، سلطان فیروز شاہ تغلق مخدوم سید جلال الدین بخاریؒ کا مرید تھا۔ انکی سفارش سے سلطان نے اس جگہ ایک شہر آباد کرنے اور قلعہ تعمیر کرنے کا حکم نافذ کیا۔ یہ برصغیر کا تاریخی اہم مقدس مقام ہے جو خانوادہ فاروقی کا مسکن بنا اور اسی مقام سے تجدید و احیائے دین کی کرنیں اطراف و اکناف عالم میں ضونگن ہوئیں۔ جس مبارک ہستی نے اس شہر کو دوا می شہرت سے ہمکنار کیا۔ وہ مجدد الف ثانیؒ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

۲۔ سامانہ (سمانہ) ریاست پٹیالہ سے، ۱۰ میل کی دوری پر جنوب مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہ ایک پرانا قصبہ ہے مگر اس کے قدیم حالات بہت کیا ہیں۔ کھنڈرات کی کثرت سے جو اس کے گرد و نواح میں نظر آتے ہیں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں یہ شہر ماتندویگر نام اور ہمسایہ شہروں کے بہت آباد ہو گا۔ مگر اب یہ بات نہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۴۵ء دمی اس میں بستے ہیں۔ یہاں بہت سے بزرگان اہل اسلام کے مزار ہیں۔ سب سے پرانا امام صاحب کا مزار ہے جو شہر سے گوشہ شمال مغرب میں واقع ہے۔ ماہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو آپ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ اقسام شیرینی میں یہاں کی مٹھائی برنی اور میووں میں پیر مشہور ہیں۔ سرکار ریاست کی طرف سے اس قصبہ میں زنانہ اور مردانہ بلڈرس قائم ہے۔ تھانہ دار اس تحلفہ کا ہیں رہتا ہے۔ یہ قصبہ مشرقی پنجاب بھارت میں شامل ہے اور اس کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

۳۔ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ صاحب ص ۱۲۱

۴۔ تاریخ فرشتہ ص ۲۹۰

۵۔ سلطان الاولیاء حضرت شیخ نظام الدینؒ۔

شیخ نظام الدین اولیاء جامع علوم ظاہر و باطنی تھے۔ فقہ حضرت امام ابوحنیفہؒ میں اور تفسیر و حدیث و اصول کلام میں استحضار تمام رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار

سید احمد دانیال بن علی بخاری غزنی سے ہندوستان تشریف اور شہر بدایون میں توطن اختیار کیا اور شیخ نظام الدین اولیاء اس شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ میں متولد ہوئے۔ جب پانچ سال کے ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے قضا کی اور آپ کی والدہ ماجدہ بی بی زلیخا نے آپ کی پرورش کی جب حضرت سن تمیز اور رشید کو پہنچے تو تحصیل علوم ظاہری اور باطنی میں مشغول ہوئے جب بدایون میں کوئی مدرسہ نہ رہا تو آپ پچیس ۲۵ برس کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ کو لے کر دہلی تشریف لے آئے اور ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں سکونت اختیار کی اور خواجہ شمس الدین خوارزمی جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے جن کو بادشاہ غیاث الدین بلبن نے آخر عمر خطاب شمس الملک مخاطب کر کے منصب وزارت تفویض فرمایا تھا کی شاگردی میں منسلک ہوئے اور تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل جکی معیت کی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ فرید الملک والدین کی خدمت کا اشتیاق ہوا ہر وقت خوش اعتقادی اور محبت کی وجہ سے بے چین رہتے تھے اور متواتر ان کا نام مبارک لیا کرتے تھے ایک روایت میں ہے کہ آپ ہر نماز کے بعد یا فرید یا فرید کا وظیفہ بھی پڑھتے رہتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد شہر دہلی سے قصبہ اجودھن کی طرف جو حضرت بابا فرید کا مقام سکونت تھا تشریف لے گئے۔ ملاقات سے مشرف ہوئے اور بیعت ہوئے کچھ عرصہ کے بعد شہر دہلی واپس تشریف لائے کئی برسوں تک دہلی میں رشد و ہدایت کا چشمہ جاری و ساری رہا۔ آخر ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مزار اقدس زیارت گاہ خلق ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کے والد ماجد کا انتقال ۶۳۵ھ میں بدایون میں ہوا اور متصل ساگر تال میں دفن ہوئے۔ ۱۱۸۴ھ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے مسجد، گنبد اور چار دیواری بنوائی (ماخذ تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص ۷۰، تذکرۃ الواصلین ص ۶۷،

۶۲ فوائد الفواد)

۱۵ اخبار الانبیاء از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۳۴ - ۲۳۵

۱۰ ص ۴۴ ۸ بذیل لفظ سرہند شریف۔
 حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ آپ کے آبا و اجداد سلطان شہاب الدین
 غوری کے عہد سلطنت میں ہندوستان تشریف لائے آپ فرخ شاہ بادشاہ کابل
 کے خاندان اور حضرت فاروق اعظمؓ کی اولاد اجار سے تھے۔ لاہور میں قیام کیا۔ پھر
 قصور کی طرف چلے گئے وہاں سے ہوتے ہوئے کھوتوال (ضلع ملتان) میں پھرے
 وہاں کی آب و ہوا آپ کو پسند آئی اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے حضرت بابا
 فرید کے دادا قاضی شعیبؒ تھے۔ قاضی شعیب کے تین لڑکے تھے۔ پہلے بیٹے کا نام
 قاضی جمال الدین سلمان تھا۔ دوسرے لڑکے شیخ عبداللہ تھے۔ جن کی اولاد میں
 حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے۔ تیسرے صاحبزادے شیخ شعبان تھے۔ جن کی اولاد
 جون پور میں آباد ہے۔ حضرت بابا فرید کے والد شیخ جمال الدین سلمان قاضی شعیبؒ
 کے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی شادی شیخ وچہرہ الدین محمدؒ کی صاحبزادی بی بی بی قرا
 خاتون سے ہوئی جو بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ بی بی صاحبہ قائم ایل اور صائم الدہر
 تھیں۔ آپ کے والد ماجد کھتوال ضلع ملتان کے ایک بزرگ عالم تھے۔ بی بی صاحبہ
 کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ آپ بیوہ ہو گئیں۔ بڑے لڑکے کا نام شیخ
 اعزاز الدین محمود، منجھلے کا شیخ فرید الدین مسعود اور چھوٹے نام نجیب الدین متوکل
 رکھا گیا۔ حضرت بابا فریدؒ بتاریخ یکم رمضان المبارک ۵۶۹ھ شب سہ شنبہ بمقام
 کھوت وال پیدا ہوئے۔ یہ مقام پاک پٹن اور ہہاراں شریف کے درمیان واقع
 ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کھوتوال میں حاصل کی۔ جب آپ کی عمر ۱۳ سال کی ہوئی
 تو آپ اپنی تعلیم تکمیل کے لئے ملتان تشریف لے گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے
 بعد آپ نے سن ۵۸۴ھ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دستِ حق
 پرست پر بیعت کی اور ان کی نگرانی میں سلوک کے منازل طے فرمائے اور خرقہ
 خلافت حاصل کیا۔ درس و تدریس، ہدایتِ خلق اور تبلیغ دین اسلام میں آپ نے
 جس قدر خدمات انجام دیں یہ سعادت بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوئی ہے۔

۲۴ حرم الحرام ۶۶۳ ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ۹۳/۹۵ سال کی تھی۔ حضرت
خواجہ بدر الدین جانشین ہوئے۔

۱۹ جواہر مجددیہ ص ۲۔

۲۰ روضۃ القیومہ ص ۲۰ سیرت امام ربانی ص ۲۴۔

۲۱ شاید سنسلا ندی مراد ہو اور دو دار معارف اسلامیہ ج ۱۰ ص ۸۴۱

بذیل لفظ سرہند شریف۔

۲۲ تاریخ فرشیہ تصنیف محمد قاسم ص ۴۶۰۔

۲۳ اس کی صحیح تحقیق نہیں ہو سکی شاید "سر مور" مراد ہو۔

۲۴ اس نہر کو نہر سلیمہ بھی کہتے ہیں۔

۲۵ منتخب التواریخ از ملا عبد القادر بدایونی ص ۱۵۰۔

۲۶ تاریخ سیر المتاخرین حصہ اول ص ۱۳۹۔

۲۷ روضۃ القیومہ ص ۲۱، سیرت امام ربانی ص ۲۶۔

۲۸ ماخذ زبدة المقامات، وعمدة المقامات وروضۃ القیومہ۔

۲۹ عمدة المقامات ص ۱۰۰ احوالات و مقامات از مولوی عبدالاحد ص ۵۔

۳۰ حضرت سید جلال الدین بخاری اوچی معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں

گشت نور اللہ مرقدہ، سید احمد کبیر کے فرزند اکبر اور حضرت سید جلال صرخ بخاری
کے پوتے تھے۔ آپ ۱۲ شعبان المعظم ۷۰۷ ھ / ۱۳۰۶ کو شب برات کی ساعت

سعید میں اوتح میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار

حضرت سید احمد کبیرؒ نے اپنے عم محترم سید صد الدین محمدؒ اور شیخ جمال خندانؒ کے زیر

سایہ ہوئی۔ فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں مثلاً ہدایہ اور اصول بزدوی وغیرہ آپ نے علامہ

شیخ بہاد الدین اوچی سے پڑھیں۔

حضرت شیخ بہاد الدین اوچی کی وفات کے بعد آپ ملتان شریف لے گئے۔

جہاں آپ نے ایک سال قیام کیا اور شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ کی نگرانی میں مولانا

موسیٰ نبیرہ حضرت ذکر یا ملتانی اور ان کے چچا زاد بھائی مجدد الدین کے زیر تدریس ہے اور مولانا شاہ رخ عالم سے بھی استفادہ علم کیا۔ بیت اللہ شریف کے بہت حج کئے۔ ازاں جسد انہیں میں حج اکبر نصیب ہوئے۔

مکہ معظمہ میں حضرت شیخ عبداللہ شافعی اور مدینۃ المنورہ میں شیخ عبداللہ مطری سے تصوف و حدیث کی کتابوں کا درس لیا۔ یہ دونوں حضرات خواجہ شہاب الدین سہروردی کے فیض یافتگانِ صحبت سے تھے۔ اس کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور تصنیف ”عوارف المعارف“ کا سبق بھی شیخ عبداللہ مطری سے لیا۔

آپ بڑے عالم۔ نہایت نیک، صالح، پارسا اور عبادت گزار تھے۔ فتویٰ حضرت امام ابو حنیفہ کے فقہ کے مطابق دیتے تھے مگر نماز جنازہ غائبانہ کے بھی قائل تھے۔ تلاشِ حق کے لئے بے انتہا سفر کئے۔ چودہ خانوادوں سے آپ کو خلافت حاصل ہوئی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق آپ کا مرید و معتقد تھا۔

۶۸۵ھ / ۱۳۸۴ء میں وفات پائی۔ اوق شریف تحصیل احمد پور شرقیہ ضلع ریاست بہاول پور میں آپ کا مزار مبارک مزج خاص و عام ہے۔ مزار پر درود و سلام کی محافل منعقد ہوتی ہیں۔ زائرین تلاوت کلام پاک اور ذکر و شغل میں ہمہ وقت مصروف نظر آتے ہیں اور اس کامل ہستی کا فیض برابر جاری و ساری ہے (ماخذ تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص ۱۸۶، زبدۃ المقامات از محمد ہاشم کشمیری ص ۸۹-۹۱، روضۃ القیومۃ از شیخ محمد احسان نقشبندی و مجددی)

۲۱ شیخ شرف الدین (ولادت ۶۵۲ھ وفات ۷۲۴ھ) آپ کا اہم گرامی شیخ شرف الدین، ابوعلی قلندر یا ابوعلی قلندر کنیت اور اسی نام سے معروف زمانہ ہوئے۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے بڑے مشہور مجذوب اور ولی اللہ تھے اوائل عمر میں آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی تمام تر توجہات کو سلوک اور طریقت کی طرف مبذول کر دیا تھا۔ اور تمام کتب کو دیر یا برو کر کے مجذوب بن گئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار (ص ۲۷۹) میں تحریر کرتے ہیں

کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کس سے بیعت تھے۔ البتہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید تھے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیعت تھے لیکن یہ دونوں روایتیں بلا دلیل و بلا حجت ہیں۔

محمد غوثی شطاری ماٹھوی "گلزار ابرار" (ص ۱۰۰) میں لکھتے ہیں کہ بعض کہتے ہیں کہ آپ سلطان نظام الدین اولیاء کے مرید تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ آپ شیخ شرف طعمہ کے مرید اور نیز شاگرد بھی تھے جو آپ کے وقت میں بزرگ علماء اور اولیاء اللہ سے تھے امیر خیر و آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے اشعار پیش کیا کرتے تھے۔ آپ کا ایک رسالہ عوام الناس میں "حکم نامہ شرف الدین" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں اپنے وطن سے چل کر دار الملک دہلی میں پہنچا اور وہاں خواجہ قطب الدین اونیجی کے روضہ مبارک کا طواف کیا۔ عالمان وقت نے مجھ کو دہلی کے درس اور فتویٰ نگاری کا منصب سپرد فرمایا۔ چنانچہ میں بیس سال تک دہلی میں مفت کا مفتی اور ہر ایک قسم کے علوم کا مدرس رہا۔ جب جذبہ نے جوش کیا تو درس اور فتویٰ کا کاروبار درہم برہم کر کے وہاں سے چل دیا اور مجذوبیت طاری ہو گئی۔ مولانا ضیاء الدین سماعی اور امام نمازی شیخ رفیع الدین سماعی آپ کے ہم عصر تھے۔ آپ نے ۷۲۴ھ میں وفات پائی۔ روضہ پانی پت میں پورونق جگہ پر زیارت گاہ خلق ہے۔

۲۲ ماخذ زبدۃ المقامات و عمدۃ المقامات و روضۃ القیوم

۲۳ اخبار الاخبار از عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۶۹

۲۴ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عقیف

۲۵ ص ۴۸، ص ۵۲، ص ۵۵ خزینۃ الاصفیاء جلد ۲۔ از مفتی غلام سرور

لاہوری، خزینۃ الاصفیاء میں درج ہے کہ آپ ملازمت کے لئے شام سے دہلی آئے۔

یہ غیر صحیح ہے بلکہ آپ سنام میں رہتے تھے۔ روزگار کی تلاش میں سنام سے دہلی تشریف لے گئے۔ تذکرہ ”صوفیائے پنجاب“ میں مولانا اعجاز الحق قدوسی نے بغیر تحقیق کے اسی طرح نقل کیا ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۲۶ تاریخ فرشتہ ص ۱۶۸ (ناشر احسن برادرز لاہور)
۲۷ سیر العارفین از حامد بن فضل اللہ جمالی ص ۲۰۵، ۲۰۶ و تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص ۱۶۸، ۱۶۹۔

۲۸ ص ۵۵

۲۹ ص ۲۸۲

۳۰ ص ۵۵ جلد ۲

۳۱ سیر العارفین ص ۶۲۔

۳۲ سیر العارفین ص ۶۲ میں ”ماں“ اور ”لڑکے“ کا ذکر ہے مگر فوائد

الفوائد ص ۲۱۹ میں صرف ”ماں“ کا ذکر آتا ہے۔

۳۳ سیر العارفین ص ۶۲ میں ”وزیر“ لکھا ہے اور فوائد الفوائد ص

۲۱۹ میں ”وزیر“ لکھا ہے۔

۳۴ ص ۲۰۸ مآثر العارفین از جان محمد (لاہور)۔

۳۵ ص ۲۰۹ ایضاً

۳۶ ص ۳۰۴ سواطع الانوار مولفہ شیخ بندگی محمد اکرم بن محمد علی (دہلی)

۳۷ ص ۱۶۲ سیر العارفین از حامد بن فضل اللہ جمالی

۳۸ کشف کے مصنف کا نام جبار اللہ ابو القاسم محمود عمر الخوازمی الذمخشری ہے۔

(پیدائش ۲۶ ربیع ۴۶۶ھ۔ انتقال ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء) اب مدرس مبلغ اور مصنف

تھے۔ زمخشری عملاً اور فقیہاً تو حنفی تھے۔ مگر عقیدہ کے لحاظ سے مائل الاعتزال تھے بعض

منتقدین علماء نے اس تفسیر کو عقائد اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ مگر علمی اور فنی

اعتبار سے کشف کو بہت مقبولیت حاصل رہی ہے۔ ایجاز البیان فی معانی القرآن مؤلفہ

نجم الدین ابوالقاسم محمود بن ابوالحسن نیشاپوری یہ کتاب دس ہزار سے زیادہ فوائد پر مشتمل ہے (کشف الظنون ۱: ۱۰۵)

۳۹ حاجی خلیفہ چلیپی نے کشف الظنون (۲: ۱۱۶۹) پر عمدۃ التفاسیر کا نام دیا ہے مگر اس کی کوئی تفصیل نہیں کی یہ بھی ایک مقبول تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

۴۰ آئین اکبری حصہ دوم ص ۱۲۵

۴۱ ایضاً

۴۲ مکتوب نمبر ۲۷۸ دفتر اول حصہ پنجم از حضرت مجدد الف ثانی سرہندی۔
 ۴۳ حضرت شیخ محمد میرالمشہور میاں میر بالا پیر قادری، شیخ محمد میر نام، میاں میر عرف، والد کا نام سائیں دتہ بن قاضی قلندر فاروقی تھا۔ سلسلہ نسب اٹھالیسویں پشت پر پہنچ کر حضرت عمر فاروقؓ تک منتهی ہوتا ہے۔ سندھ کے قدیم شہر سیوستان میں ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی سات برس کے تھے کہ پدر بزرگوار اللہ کو پیارے ہوئے۔ بارہ برس تک والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ بنت قاضی قادن کے سایہ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور سلسلہ قادریہ کی تلقین بھی محترمہ والدہ صاحبہ سے حاصل کی۔ آپ کے والدین اور عیشیرہ اپنی وقت کی عسرفاہیں سے تھیں۔

علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت خضر سیوستانی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا۔ تکمیل سلوک کے بعد خرقہ خلافت پایا اور مرشد نے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ فرمودہ مرشد کے مطابق لاہور آ کر اقامت پذیر ہوئے، جس وقت آپ لاہور تشریف لائے عمر ۲۵ سال کی تھی اللہ تعالیٰ نے جلد ہی آپ کو مقبول خاص و عام کر دیا۔

آپ اپنے عہد کے امامِ طریقت اور واقفِ اسرارِ حقیقت تھے۔ علوم ظاہر و باطنی میں یکتائے روزگار اور عارفِ کامل ہوئے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ، زہد و تقویٰ فقر و غنا اور توکل و قناعت میں اپنے زمانے میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ عارفِ شب زندہ دار تھے اور وحدت الوجود کے

قائل تھے۔

حضرت خواجہ فاؤنڈر محمود نقشبندی المعروف بہ حضرت ایشاں کے ساتھ اپنے تعلقات بہت خوشگوار تھے۔ مسائل شریعت و طریقت اور وحدت الوجود کے بارے میں اکثر مراسلت رہتی تھی۔ مگر تا حال یہ مواد دستیاب نہیں ہو سکا۔

آپ نے مارچ الاول بروز سہ شنبہ ۱۰۲۵ھ / ۱۱ اگست ۱۹۳۵ء بعہد شاہجہاں وفات پائی۔ مزار لاہور چھاؤنی میں زیارت گاہ خلق ہے۔

۲۴ سے سیکینہ اولیاء ص ۲۵۶

۲۵ سے ایضاً

۲۶ سے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ از مولوی محمد حسن نقشبندی ص ۲۲۰، ۲۶۵، ۳۰۲ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از علامہ نور بخش توکلی ایم اے ص ۲۸۹، روضۃ القیومیہ ص ۲۹۳

باب - ۶

۱۔ کتاب الہند - جلد اول - پیش لفظ

۲۔ ص ۲۱ چمنستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی

از مولوی فضل حق صاحب سنگروری (۱۹۲۲ء)

۳۔ حبیب - دی سلطان محمود آف غزنین ص ۸۵

۴۔ ابریونی انڈیا - جلد اول - ص ۲۴-۲۶

باب - ۷

۱۔ ص ۲۳ چمنستان ولایت - بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی

از مولوی فضل حق صاحب سنگروری (۱۹۲۲ء) بیان کرتے ہیں کہ پال خاندان کے راجوں

نے ماتحت ایک جاگیردار راجہ سنام اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ پر حکمران تھا جس کا نام راجہ جیو بیان کرتے ہیں، کتب تاریخ میں ان کا ذکر نہ ہونے کے باعث۔ ان کی حکومت اور ان کی زندگی کے حالات بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہیں۔ مصادر اور ماخذ کی کمی کے باعث اس زمانے کی زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۲۱۔ امپریٹل گزیٹ آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۰۸ء پنجاب جلد دوم ص ۲۸۶ و بارہ

اشاعت ناشر عزیز پبلشر لاہور ۱۹۶۹ء -

۲۲۔ روزنامہ ٹریبون پنجابی مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء (چنڈی گڑھ) مشرقی

پنجاب بھارت۔

باب - ۸

۱۔ ص ۵۵ چمنستان ولایت، بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ محمود بنوئی

از مولوی فضل حق صاحب سنگھوری (۱۹۲۲)۔

۲۔ مقالہ درگاہ حضرت محمود بنوئی سنام از ڈاکٹر زیش صاحب روزنامہ

ٹریبون پنجابی مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء (چنڈی گڑھ) مشرقی پنجاب، بھارت -

۳۔ ایضاً

۴۔ ”موری“ پنجابی لفظ ہے جسکے معنی شکاف یا سوراخ ہے۔

باب - ۹

۱۔ روزنامہ ٹریبون پنجابی مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء چنڈی گڑھ مشرقی پنجاب

بھارت۔

۲۔ انگریزی مقالہ قلعہ سنام از مسٹر پریم سیتانی ٹریبون انگریزی مورخہ

۱۳ مارچ ۱۹۶۹ء، چند می گڑھ مشرقی پنجاب (بھارت)۔

۳۔ سردار اودھم سنگھ کا اصل نام سردار رام سنگھ آزاد تھا۔ ولادت کے وقت والدین نے اودھم کے نام سے موسوم کیا تھا جو علاقہ سنام (ریاست پٹیالہ) کے مردم خیز خطے میں دسمبر ۱۹۰۰ء (۱۲۔ پوسہ ۱۹۵۰ء بکرمی) میں سردار ٹہل سنگھ کنبوہ کی زوجہ تراپن کور کے گھر سے پیدا ہوئے ان کا تعلق کنبوہوں کی جموں گوتھی تھا۔ آپ بچپن میں انغوشس مادری سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کے والد نے بیوی کی وفات کے بعد سنام سے شہر امرتسر چلے آئے اور کچھ عرصہ بعد وہ بھی بیٹے کو بے بار و مددگار چھوڑ کر راہی عالم بقا ہوئے۔ یحیٰی اودھم سنگھ کی پرورش تیم خانہ میں ہوئی۔ جب جوان ہوئے۔ ملک و ملت کی خدمت اپنا مقصد زندگی قرار دیا اور ہمیشہ انقلاب پسند مخالف برطانیہ جماعت میں شامل رہتے تھے۔ حکومت برطانیہ نے آپ کو باغی قرار دے کر گرفتار کر کے چار سال کے لئے جیل میں مقید کر دیا اور گھر بار و جائیداد سب کچھ ضبط کر لی۔

۱۳ مارچ ۱۹۲۰ء کو سرماٹیکل ایڈوائزر لفینٹنٹ گورنر پنجاب اور حادثہ جلیانوالہ باغ کے ذمہ دار نے انڈیا ہاؤس کے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر ہندوستان کے خلاف زہرا گلنا شروع کیا۔ دفعتاً ایک فائر ہوا بے جان ہو کر گر پڑے اور مر گئے۔ ۱۱ جون ۱۹۲۰ء کے دن آپ کو پھانسی کی سزا دی اور ۱۳ جون کو اسے تختہ دار پر لٹکا دیا۔ آپ محبت وطن، انسان دوست، روادار، غیر متعصب اور شریف انسان تھے۔

۴۔ حضرت سلطان باہو قدس سرہ۔ آپ علوم ظاہر و باطن میں جامع تھے۔ بڑے عالم متحرقت فیض طریقت اس قدر جاری تھا کہ ہزاروں لوگ مستفید ہوئے۔ آپ قبیلہ اعوان سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ایتلیس واسطوں سے امام الادلیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام بایزید محمد ہے۔ وہ شہنشاہ شہجہاں کی طرف سے کوہستان میں منصب دار تھے (ماخذ مناقب سلطانی) آپ حافظ قرآن تھے۔ اپنے زمانہ کے ایک عالم تھے۔ شریعت کے سخت پابند تھے۔ کوہستان سے ملتان آکر اقامت گزریں ہوئے۔

شورکوٹ میں جاگیر پائی وہاں ہی سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا۔ وہ اپنی بزرگی اور پرہیزگاری کے لئے مشہور ہیں۔ آپ شورکوٹ میں ۱۰۳۹ء میں پیدا ہوئے آپ کا اسم گرامی ”باہو“ ہے۔ اس نام پر بہت فخر کرتے اور فرماتے تھے ”میری والدہ پر اللہ کی رحمت ہو کہ انہوں نے میرا نام جو ایک ہی نقطے سے ”باہو“ ہو جاتا ہے رکھا (ماخذ عین الفقہ زبدۃ العارفين) آپ نے تعلیم و تربیت اپنی والدہ کی نگرانی میں پائی اور خرقہ خلافت حضرت سید عبدالرحمن قادری دہلوی سے حاصل کیا۔ دہلی سے شورکوٹ تشریف لائے اور تعلیم و تلقین اور رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے دیوان ”باہو“ اور ادبیات ”باہو“ آپ کی یادگار ہیں۔ آپ فرماتے ہیں فقر کے تین ترف ہیں فق رفق سے قتائے نفس، فق سے قہر نفس، ر سے راضی بہ خدا مراد ہے۔ اور فق سے فخر، فق سے قرب اور ر سے راز بھی مراد ہے (ماخذ کشف الاسرار (اردو ترجمہ) ص ۱۵) آپ نے یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ کو وفات پائی۔ آپ کا مزار شورکوٹ میں واقع ہے۔

(۲) کتابیات

- (۱) اس تذکرہ کی تدوین و تالیف میں درج ذیل کتب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔
- (۲) خزینۃ الصغیاء (جلد اول مودوم) از مفتی غلام سرور۔ لاہوری
- (۳) تاریخ محزون پنجاب
- (۴) تذکرہ علمائے ہند۔ از مولانا رحمن علی صاحب
- (۵) اخبار الانبیاء۔ از مولانا مولوی عبدالحق محدث دہلوی
- (۶) سفینۃ الاولیاء از شہزادہ داراشکوہ (فارسی نسخہ) اردو ترجمہ محمد علی لطیفی کراچی
- (۷) تاریخ ہندوستان خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی
- (۸) نفحات الانس از مولانا عبدالرحمن جامی
- (۹) دربار اکبری
- (۱۰) گلزار ابرار۔ اردو ترجمہ از محمد غوثی شطاری مانڈوی
- (۱۱) تاریخ فیروز شاہی (برنی)
- (۱۲) تاریخ فیروز شاہی از سراج عنقیف مترجم مولوی محمد فدا علی صاحب
- (۱۳) ایکنہ حقیقت نما جلد اول و دوم از مودخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔
- (۱۴) تاریخ فرشتہ از ملا محمد قاسم
- (۱۵) خطہ پاک اوتح شریف از مسعود حسن شہاب
- (۱۶) تاریخ پنجاب از محمد بوٹے شاہ (قلمی نسخہ) پنجاب یونیورسٹی لاہور

- (۱۶) خدمتہ التواریخ از سبحان رائے بٹالوی
- (۱۸) تاریخ مبارک شاہی از بھٹی بن احمد سرہندی
- (۱۹) طبقاتِ ناصری از منہاج راج
- (۲۰) سیرا عارفین از حامد بن فضل اللہ جمالی
- (۲۱) سیرا اولیاء از امیر خودر
- (۲۲) اسرار الاولیاء از مولانا بدرالدین اسحاق
- (۲۳) روشنائی اہلسان - طبع ایران
- (۲۴) تاریخ نقاشی از خواجہ نظام الدین احمد بن خواجہ مفیم ہروی
- (۲۵) منتخب التواریخ از ملا عبد القادر بدایونی
- (۲۶) تاریخ پنجاب از رائے بہادر کنھیالال
- (۲۷) عمدۃ التواریخ از سوہن لال سوری
- (۲۸) تذکرہ صوفیائے پنجاب از مولانا اعجاز الحق قدوسی کراچی (۱۹۶۶ء)
- (۲۹) کتاب الہبت از البیرونی (اردو ترجمہ)

ANCIENT GEOGRAPHY OF INDIA BY A-CUNNINGHAM
-HAM

- (۳۱) مخدوم جہانیاں جہانگشت بخاری از پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب
- (۳۲) اکبرنامہ
- (۳۳) طبقاتِ اکبری
- (۳۴) سکنۃ الاولیاء از دارا شکوہ
- (۳۵) تاریخ اوتح از مولوی حفیظ الرحمن
- (۳۶) پھلکیاں اسٹیٹ گزیٹ ۱۹۰۲ء اور پٹیالہ گزیٹ ۱۹۰۴ء
- (۳۷) اسپرٹیل گزیٹ آف انڈیا (۱۹۰۸ء) جلد ۲۳
- (۳۸) فتوح السلاطین (شجرہ مشائخ پشت) تصحیح محمد یوسف مدراس ۱۹۲۸ء

- (۳۹) آئینہ المعارفین از جان محمد صاحب (لاہور)
 (۴۰) تذکرہ سعیدیہ از خلیفہ محمد سعید (آلوہار شریف) سیالکوٹ
 (۴۱) چمنستان ولایت بحوالہ مولوی فضل حق (شہر سنگر پور ریاست جنید بھارت)
 (۴۲) رامائین
 (۴۳) غیات اللغات اردو
 (۴۴) جغرافیہ ریاست پٹیالہ از پنڈت گنیشی لال پروفیسر پٹیالہ کالج پٹیالہ
 (۴۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰ سرہند شریف
 (۴۶) روضۃ القیومیۃ از شیخ محمد احسان نقشبندیہ مجددی قلمی نسخہ (فارسی) پنجاب پبلک
 لائبریری لاہور

- (۴۷) فوائد الفواد از امیر حسن نجری ترجمہ محکمہ اوقاف شاہی مسجد لاہور
 (۴۸) مشائخ نقشبندیہ مجددیہ از مولوی محمد حسن نقشبندی
 (۴۹) تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از علامہ نور بخش توکلی ایم اے
 (۵۰) روزنامہ ٹریبون پنجابی مطبوعہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء چنڈی گڑھ مشرقی پنجاب
 بھارت۔

- (۵۱) مزارات اولیائے دہلی از محمد عالم شاہ بخاری
 (۵۲) سیر المتاخرین حصہ اول و دوم
 (۵۳) خیر المجلدات از حمید قلندر صاحب
 (۵۴) رگ ویدک انڈیا

- (۵۵) جہا بھارت ترجمہ از سری رام صاحب
 (۵۶) راج ترنگنی - ترنگ چہارم ترجمہ ٹھاکر اچھر چند شاہ پور
 (۵۷) تاریخ ہند از کابن چند پروفیسر
 (۵۸) رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء حصہ اول جلد نمبر ۱۹
 (۵۹) دعوت اسلام ترجمہ پیس بچنگ آف اسلام از پروفیسر ارنالڈ صاحب



- (۶۰) تاریخ پنجاب محمد عبدالطیف صاحب
 (۶۱) تاریخ پنجاب از بھائی پر ماتدجی
 (۶۲) رپورٹ مردم شماری ۱۹۰۱ء حصہ دوم جلد اول ۱۹۱۱ء
 (۶۳) رپورٹ مردم شماری ۱۸۸۱ء
 (۶۴) این اورینٹیل بائوگرافیکل ڈکشنری بائی ٹی ڈبلیو بیل مطبع نیویارک ۱۹۶۵ء
 (۶۵) جغرافیہ ریاست پٹیالہ از سردار پرتاپ سنگھ
 (۶۶) تاریخ پٹیالہ از خلیفہ محمد حسن صاحب
 (۶۷) ماشر الگرام از مولانا آزاد بلگرامی صاحب
 (۶۸) تاریخ ناصری از ناصر علی سرہندی
 (۶۹) تاریخ طبقات اکبری از نظام الدین احمد
 (۷۰) تاریخ سنام از سیاح سناہی بھارت
 (۷۱) تجمہ سیر الاولیاء از خواجہ گل محمد احمد پوری - مطبع رضوی دہلی ۱۲۹۸ھ اردو
 مترجم مسعود حسن شہاب بہاولپور
 (۷۲) مناقب فخریہ از میر نذر علی درو کا کوری سلمان اکیڈمی کراچی ۱۹۶۱ء
 (۷۳) الدر المنکون فی ترجمہ انوار العیون - از شاہ عبدالقدوس گنگوہی



سید عارف محمود صاحب جوڑی
 محلہ خواجگان - گجرات شہر





پہلے شدی دور از حضورِ اولیاء!
در حقیقت گشتہ ای دور از خدا
(مولانا روم)



میر کارواں تذکرہ

شیخ الاولیاء حضرت خواجہ سید محمود بنوئی بخاری ثم سنائی قدس سرہ

۵۱۵ھ

۶۱۱۲۱

۲۲۶ھ

۶۱۰۵۵

تالیف

میاں اخلاق احمد ایم لے

ناشر

میاں اخلاق احمد (ایم لے) ۳۳۳ شاد باغ لاہور پاکستان

مید عارف، محمود مہجور روضی